

مفت سلسلہ اشاعت نمبر 137

ماہنامہ
بقیع
کراچی

SEPTEMBER 2005

سیرت امام اعظم ابو حنیفہ

فی البقیع

مصنف

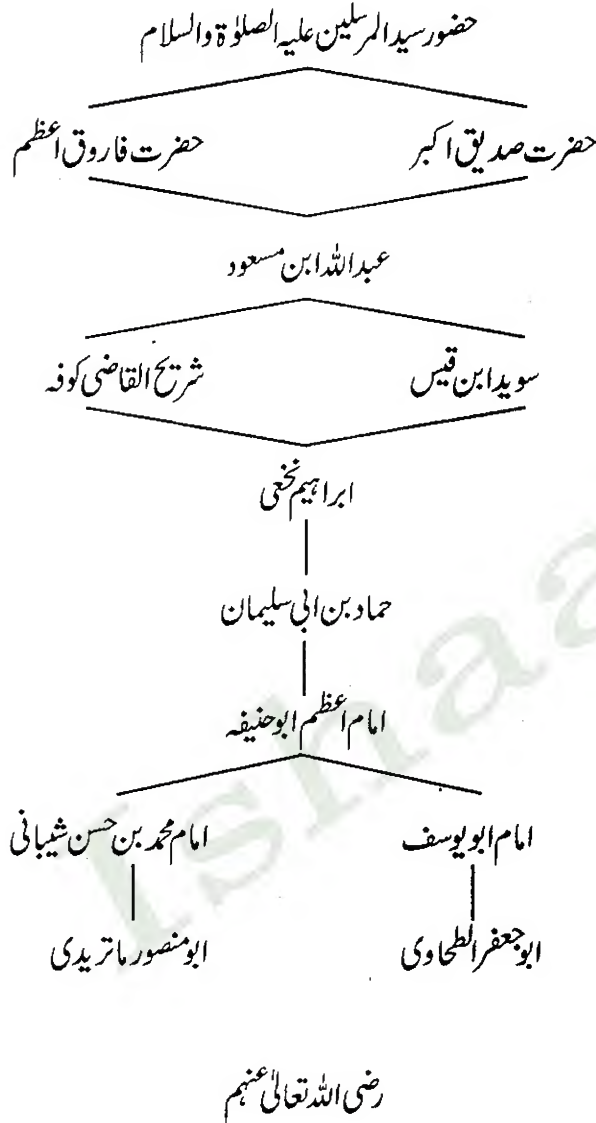
فقیہ العصر مولانا مفتی شریف الحق امجدی مدظلہ العالی

(جلد اول)


جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار کراچی ۷۴۰۰۰

شجرہ فقہ حنفی



بسم اللہ الرحمن الرحیم
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

نام کتاب: سیرت امام اعظم ابو حنیفہ 
مؤلف: حضرت علامہ مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ
کمپوزر: الوقار انٹرپرائز 0300-213 8240
ضخامت: ۹۶
تعداد: ۲۰۰۰
تاریخ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۵ء
مفت سلسلہ اشاعت: ۱۳۷

== ناشر ==

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار میٹھا در کراچی ۷۴۰۰۰

فون: 021-2439799

۴۱	مسائید
۴۲	مسائید کی اسناد
۴۳	خصوصیت
۴۳	جرح و تعدیل میں حذاقت
۴۴	قلت روایت کا سبب
۴۶	فقہ کی حقیقت
۴۶	فضیلت فقہ
۴۸	ضرورت فقہ
۵۰	بنیاد
۵۴	احکام میں فرق مراتب کے موجد
۵۹	عمل بالحدیث
۶۵	شبہات اور جوابات
۷۲	ایک اور الزام
۷۴	اشعار کی کراہت کی وجہ
۷۶	احادیث کے غلط قاعدہ خفیہ
۷۸	معانی حدیث کی فہم
۸۰	ایک لطیفہ
۸۲	ایک اور طعن اور اس کے جوابات
۸۵	مخالفت کے اسباب
۸۸	تلامذہ
۹۰	وفات
۹۱	تجہیز و تکفین

فہرست

۱۲	مولد و مسکن
۱۴	اس وقت کے مشاہیر
۱۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام فقیہ عراق
۱۴	امام فہمی
۱۴	سلمہ بن کہیل
۱۵	ابو اسحاق سہمی
۱۵	محارب بن دثار
۱۵	عون بن عبداللہ بن عقبہ بن مسعود
۱۵	ہشام بن عروہ بن زبیر
۱۵	سلیمان بن مہران معروف بامعش
۱۶	حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق
۱۶	حضرت عبداللہ بن ابی اونی علیہ السلام
۱۸	زمانہ
۲۳	صحابہ سے سماع حدیث
۲۴	تعلیم
۲۵	تحصیل حدیث
۳۰	امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات
۳۴	عظیم محدث ہونے کے شواہد
۳۸	بشارت نبوی
۴۰	تصانیف امام اعظم
۴۰	فقا کبر
۴۰	العالم والیہ

تعارف مصنف

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمۃ کا تولد ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں قاضی شرع صدر الشریعہ محمد امجد علی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۶۷ھ) کے وطن مالوف قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوا۔ قصبہ گھوسی کے مقامی مکتب میں آپ نے ناظرہ قرآن اور وہیں صدر الشریعہ کے بچے بھائی حکیم احمد علی سے ”گلستان“، ”بوستان“ پڑھیں اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے عزم سے دس شوال ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۲ء مبارک پور پیچھے جہاں آپ نے جلالتہ العلم حافظ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مراد آبادی کے زیر سایہ مدرسہ لطیفیہ مصباح العلوم محلہ پرانی بستی میں ابتدائی عربی سے لے کر حمد اللہ و ہدایہ و ترمذی تک پڑھا۔

۱۳ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ بمطابق سن ۱۹۴۲ء میں سات آٹھ ماہ کے لئے مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے بھی طالب علم رہے جہاں آپ نے صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی سے حاشیہ عبدالغفور، شمس بازغہ اور خیرالاد کیا۔ حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی سے خیالی اور قاضی مبارک اور دیگر کتب کا درس لیا۔

اور شوال المکرم سن ۱۳۶۱ھ بمطابق ۱۹۴۲ء میں آپ مدرسہ مسجد بی بی جی بریلی شریف پہنچے اور وہاں آپ نے محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد (فیصل آبادی) سے صحاح ستہ حرفا حرفا پڑھ کر دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۰ شعبان سن ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں دستار فضیلت کی تقریب ہوئی جس میں صدر الشریعہ، صدرالافاضل، مفتی اعظم ہند اور دیگر جلیل القدر علماء و مشائخ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔

اساتذہ کرام:

مدارس اہلسنت میں تقریباً بارہ برس تک آپ نے باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ منقولات و معقولات کی سبھی مروجہ کتب آپ نے جن اساتذہ کرام سے پڑھیں ان میں چند کے اسماء درج ذیل ہیں۔

- ۱- صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۶۷ھ
- ۲- مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ
- ۳- حافظ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمۃ
- ۴- محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمۃ
- ۵- صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ
- ۶- خیرالاد کیا مولانا غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمۃ
- ۷- شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری علیہ الرحمۃ
- ۸- مولانا غلام محی الدین بلیاوی علیہ الرحمۃ
- ۹- مولانا شمس الحق مبارک پوری علیہ الرحمۃ

اور آپ نے دورہ حدیث سے فراغت کے بعد سے ۳۵ سال تک دس مختلف مدارس میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی جہاں بے شمار تشنگان علم کو سیراب کیا۔

مشہور تلامذہ

خواجہ ظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مجیب اشرف اعظمی، قاضی عبدالرحیم بستوی، مولانا رحمت حسین کلیسی، مولانا عزیز اعظمی، مولانا قمر الدین اشرفی اعظمی، مولانا حفیظ اللہ اعظمی، مولانا سلطان احمد اوروی، مولانا امام الدین مصطفوی، مفتی شفیق احمد شریفی، مولانا افضال احمد، مولانا محمد عمر بہراچی، مولانا غلام ربانی، مولانا محمد کوثر خان نعیمی، مولانا رحمت اللہ بلراپوری، مولانا عبد الودود فقیہ، مولانا قاری شفیق احمد، مولانا صوفی فضل الرحمن، مولانا طیش محمد شریفی، مولانا ولی اللہ

- ۴- السراج الکامل
- ۵- اشک رواں
- ۶- تحقیقات (دو حصے)
- ۷- اثبات ایصال ثواب
- ۸- سنی دیوبندی اختلاف کا منصفانہ جائزہ
- ۹- مقالات امجدی
- ۱۰- روداد مناظرہ (حواشی)
- ۱۱- اذان خطبہ (افادات)
- ۱۲- تنقید بر محل (افادات)
- ۱۳- فتوئوں کی سرزمین نجد یا عراق؟
- ۱۴- مفتی اعظم ہند اپنے فضل و کمال کے آئینہ میں
- ۱۵- حواشی فتاویٰ امجدیہ (اول و دوم)
- ۱۶- فتاویٰ اشرفیہ (زیر طبع)

تقریر و تبلیغ:

جس طرح آپ نے تدریس و افتاء اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین متین کی خدمت انجام دی اسی طرح بیان و تقریر کے ذریعے سے دین متین کی اشاعت کا حق بھی بھر پور طریقے سے انجام دیا۔

رد و مناظرہ:

فقہ اعظم علیہ الرحمہ نے متعدد مناظروں میں شرکت کی اور اپنی ذہانت اور حاضر دماغی اور زور علم و وسعت مطالعہ سے منکرین معاندین کو شکست دی کہیں مناظر اہلسنت کا عملی تعاون فرمایا اور کہیں خود مناظرہ کیا اور کہیں مناظرے کی صدارت کی۔ مندرجہ ذیل مناظروں میں آپ نے

شریفی، مولانا شمیم الزمان، مولانا کمال احمد، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا حافظ عبدالحق رضوی، مفتی معراج احمد مولانا بدر عالم، مولانا محمد نسیم مصباحی، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا بدر القادری اور مولانا سلیم اختر مصباحی وغیرہم۔

فتہ و افتاء

آپ نے شعبان ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۹۴۷ء سے شوال ۱۳۶۷ھ بمطابق اگست ۱۹۴۸ء تک اپنے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں صدر الشریعہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور دارالعلوم مظہر الاسلام، بریلی کے زمانہ تدریس شوال ۱۳۷۵ھ بمطابق جون ۱۹۵۶ء سے ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۹۶۷ء تک مسلسل گیارہ سال دو ماہ تین دن کی طویل مدت میں آپ نے مفتی اعظم ہند سے بے شمار مسائل میں استفادہ کیا اس دوران آپ نے تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ تحریر فرمائے اور عوام و خواص کو بے شمار مسائل سے روشناس کیا اور جہاں جہاں آپ مختلف اوقات میں پہنچے، ان تمام مدارس کے زمانہ تدریس میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے کے بعد آپ نے صرف افتاء کی خدمت انجام دی اور آپ کی سرپرستی میں متعدد معاون مفتیان کرام فتاویٰ لکھتے اور آپ بطور رئیس دارالافتاء ان کی تصدیق فرماتے اور خود بھی فتاویٰ املا کرواتے تھے۔

تحریر و تصنیف

تدریس و افتاء کی گراں بار ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا حق بھی ادا کیا آپ کی تحریر نصف صدی پر محیط ہے اور اشرفیہ مبارک پور تشریف لانے کے بعد آپ نے ”صحیح بخاری“ کا ترجمہ و شرح لکھنے کا بیڑا اٹھایا جو الحمد للہ پایہ تکمیل کو بھی پہنچ گیا۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب و رسائل درج ذیل ہیں۔

- ۱- نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری (۹ جلدیں)
- ۲- اشرف السیر
- ۳- اسلام اور چاند کا سفر

سرگرم اور نمایاں کردار ادا کیا۔

- ۱- رائے پور ضلع لکھیم پور کھیری
- ۲- باندوچتر ضلع پلوچوں
- ۳- مینن گاؤں ضلع بستی
- ۴- سینا پور
- ۵- جھریا ضلع دھنیا
- ۶- کنک، اڑیسہ
- ۷- بکرڈیہ، بنارس
- ۸- سعدی پور، ضلع فتح پور
- ۹- بدایوں

بیعت و خلافت:

دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے ایک جلسہ منعقدہ ۱۳۵۹ھ میں صدر الشریعہ مبارک پور تشریف لائے اور فقیہہ اعظم نے آپ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا اس طرح آپ بیعت و ارادت سے سرفراز ہوئے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ ”النور البہاء“ از امام احمد رضا قادری بریلوی میں درج پچیس سلاسل قرآن حدیث و سلاسل اولیاء اللہ کی تحریری اجازت کے ساتھ سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی بھی اجازت مرحمت فرمائی جو ”الاجازات المتینہ“ از حضرت ابو الحسین نوری میاں میں مسطور ہیں۔

اور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں نے بھی عرس قاسمی سن ۱۴۰۴ھ کے موقع پر بلا طلب اپنے خاندان کے تمام سلاسل کی اجازت مرحمت فرمائی

شوال سن ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۸ء میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کی درخواست پر آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اجازت دی

اور ان تمام اجازتوں کے باوجود فقیہ اعظم نے بہت تھوڑے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کو بیعت فرمایا اور آپ کے خلفاء کی تعداد بھی مختصر ہے۔

اسلامی غیرت و حمیت:

اسلام اور پیغمبر اسلام پر اگر کسی بد باطن نے کبھی قلم اور زبان کے ذریعے ہرزہ سرائی کی آپ نے اس کا بھرپور تعاقب کیا اور اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعہ ردِ تبلیغ فرمایا۔

انتقال پر ملال:

دنیاے اسلام کا یہ عظیم شہسوار ۶ صفر المظفر بروز جمعرات ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۱ مئی ۲۰۰۰ء داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملا انا لله وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کے مرقد انور پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے اور تاقیامت ان کے فیضان کو جاری و ساری فرمائے آمین۔

زیر نظر کتابچہ، دراصل حضرت موصوف کا عظیم علمی ذخیرہ ”زہد القاری شرح صحیح بخاری“ سے ماخوذ ہے۔ قرآنی آیات و احادیث کی تخریج میں رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت، مخدوم و محترم حضرت علامہ مولانا مفتی عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی رہنمائی لی گئی ہے۔ کسی مقام پر نہایت ہی مختصر مگر جامع حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ ادارہ ان کا مشکور و ممنون ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مفتی صاحب کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائیں اور انہیں دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں مزید حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے آمین۔

محمد عرفان قادری ضیائی

ناظم اعلیٰ جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان

سیرت مبارکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ؒ

مولد و مسکن

حضرت امام اعظم سن ۷۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود یہ فرمایا ہے کہ دو بار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا، چار مرتبہ بصرہ گیا، کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ اگر کوفہ میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد و رفت کیوں ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف غدروے وفائی کی تعلیم و ترین کے لئے جاتے تھے۔ پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسی (۸۰) سال بعد تھی۔ اسی (۸۰) سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا بلکہ صحابہ کرام کا اخیر دور تھا۔ خَيْرُ الْقُرُونِ الثَّلَاثِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ^۱ کے آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسی (۸۰) سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کو بحرنا پیدا کننا اپنی تشنگی بجھانے کے لئے اتنی بار کوفہ گئے ہیں جس کو وہ اپنے محیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی (۸۰) سال پہلے دور تابعین میں کوفہ کے علم و فضل کا کیا حال ہوگا اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے:

۱ یعنی تمام زمانوں میں بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو ان سے ملے پھر ان کا جو ان سے ملے اخر حرجہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث رقم ۳۶۵۱ و مسلم فی صحیحہ فی فضائل الصحابة حدیث رقم (۲۱۴ - ۲۵۳۵) باب فضل الصحابة الخ و ابو داؤد فی السنن فی کتاب السنة حدیث رقم ۴۶۵۷ فی فضل اصحاب الخ و الترمذی فی السنن فی الفتن حدیث رقم ۳۸۵۹ باب فی القرن ونقله ولی الدين العطوب فی مشکاة المصابيح (کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة)

کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم ؓ کے حکم سے سن ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص ؓ نے بسایا۔ اس شہر کو حضرت عمر ؓ رَأْسُ الاسلام، رَأْسُ العرب، حجة العرب، عرب کا سر، حتی کہ رَحُّ اللہ، کنز الایمان کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی ؓ نے اسے قبة الاسلام و اہل الاسلام کا لقب دیا۔ حضرت علی ؓ نے بھی اسے کنز الایمان، حجة الاسلام، رَحُّ اللہ، سیف اللہ کہا۔ کوفہ کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا دار الخلافت بنایا۔ کوفہ والوں نے جس خلوص و سچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا۔ وہ تاریخ کے صفحات پر زریں ادراک کی طرح تاباں ہے۔

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا۔ جو اسی لئے کوفہ میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔ اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آ سکتا تو ان کے وارثین ردائش کی وجہ سے کوفہ پر کوئی داغ نہیں آ سکتا۔ کون سی بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے.....؟

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس (۱۰۵۰) صحابہ کرام جن میں ستر (۷۰) اصحاب بدر اور تین سو (۳۰۰) بیعت رضوان کے شرکاء تھے، آکر آباد ہوئے۔ جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں اس کی ضوفشائیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے۔ (طبقات ابن سعد و فتوح البلدان وغیرہ)

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفہ کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر گھر دارالحدیث، دارالعلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم ؓ جس عہد میں پیدا ہوئے یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے تھے۔ اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

اس وقت کے مشاہیر

حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفہ میں جو آئمہ مشاہیر و مقتداء وقت تھے ان میں

چند یہ ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق

فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کا صیرنی الحدیث خطاب تھا۔ یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ، کوفہ، حجاز، شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری، ابن سیرین، ان سے علم نہیں تھے (حاشیہ خلاصۃ التہذیب)۔ انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابوالثمنی نے کہا کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل و کمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں (تہذیب التہذیب)۔ حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے سن ۵۰ھ میں پیدا ہوئے سن ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس (۲۶) سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی

متوفی سن ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ، پانچ سو (۵۰۰) صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا، واللہ یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کھنیل

بند بن عبد اللہ، ابن ابی اونی، ابو طفیل اور بہت صحابہ ؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں یہ اکثر روایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

ابو اسحاق سبئی

اڑیس (۳۸) صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں جن میں مشاہیر یہ ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم ؓ۔ علی بن المدینی نے کہا کہ ابو اسحاق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔

سماک بن حرب

اسی (۸۰) صحابہ سے ملاقات کا ان کو شرف حاصل ہے امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار

متوفی سن ۱۱۶ھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر ؓ سے روایت کی ہے۔ یہ کوفہ کے قاضی بھی تھے آئمہ حدیث ان کے مدارج اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر

حواری رسول اللہ حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن عیینہ ان کے تلامذہ سے تھے۔ ان کی جلالت شان متفق علیہ ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مؤخر الذکر سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں ان کی پیدائش سن ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں ہوئی اور وصال سن ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ میں ہوا۔

حماد بن ابی سلمان فقیہ عراق

حضرت انس ؓ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے آئمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو متواتر علوم چلے آ رہے تھے۔ ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ، مسعر وغیرہ انہیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا سن ۱۲۰ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کے مسند پر یہ بیٹھے۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام الحدیثین یہ فرمایا کرتے تھے مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ، حرام و حلال کے لئے کوفہ ہے۔ (معجم البلدان، ج ۳، ص ۴۹۳، ذکر کوفہ)

حضرت عبداللہ بن ابی اونی ؓ

سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اونی ؓ کو نے ہی میں تھے۔ جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے۔ ان کا وصال سن ۸۷ھ میں ہوا۔ حضرت امام اعظم کو ان کی حیات مبارکہ کے سترہ (۱۷) سال نصیب ہوئے۔ کو نے کو مرکز علم و فضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس (۱۰۵۰) صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ اور انہی کیلئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر میں ان پر بغیر مشورہ کے کسی کو امیر بناتا تو ابن ام عبد اللہ یعنی ابن مسعود کو امیر بناتا، رواہ الترمذی فی السنن حدیث رقم ۳۸۰۹ وابن ماجہ حدیث رقم ۱۳۷ واحمد فی المسند ۱۰۷/۱ اور یہ بھی فرمایا، ابن مسعود تم سے جو حدیث بیان کریں تو تم اس کی تصدیق کرو، رواہ الترمذی فی السنن حدیث رقم ۳۷۹۹، دونوں حدیثیں امام ولی الدین نے مشکاة المصابیح کتاب المناقب، باب جامع المناقب، فصل ثانی میں نقل کی ہیں اور آپ، حضرت عمر ؓ سے بھی قبل اسلام لانے آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زید مسلمان ہوئے، آپ خود فرماتے ہیں، میں چھٹا مسلمان ہوں اور اس وقت ہمارے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی مسلمان نہ تھا جیسا کہ علامہ ابن اثیر کی کتاب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۳، ص ۳۵۸" میں حضرت ابن مسعود کے ترجمہ میں مذکور ہے۔

رَضِيتُ لِأَمِيْنٍ مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدِ وَسَخَطْتُ لِأَمِيْنٍ مَا سَخَطَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ۔ (الاستيعاب)

یعنی، میری امت کے لئے ابن مسعود جو پسند کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں اور جو وہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

ان کو حضرت فاروق اعظم ؓ نے کوفے کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا اسی عہد میں انہوں نے کوفے میں علم و فضل کے دریا بہائے۔

اسرار الانوار میں ہے، کوفے میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لئے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے ہیں تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا انہیں دیکھ کر حضرت علی ؓ نے خوش ہو کر فرمایا، ابن مسعود! تم نے کوفے کو علم و فقہ سے بھر دیا تھا تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی ؓ نے اپنے روحانی و عرفانی فیض سے ایسا سیंचا کہ تیرہ سو (۱۳۰۰) سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں خواہ علم حدیث و خواہ علم فقہ۔ اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ (۶) قاضی تھے۔ ان میں سے تین (۳) مدینہ میں تھے عمر، ابن بن کعب، زید اور تین (۳) کوفے میں علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری ؓ (حاکم) امام مسروق نے کہا میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ (۶) کو منبع علم پایا۔ عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابوالدرداء، اور ابی بن کعب ؓ۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھوں کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ حضرت علی اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کر اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ڈرے ڈرے کو چمکا دیا۔ (اعلام الموقعین لابن قیم، امام غیر مقلدین)

زمانہ

اوپر گزر چکا کہ امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ صحابہ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی تھا۔ اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابہ کرام با حیات تھے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اس کو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام اعظم ؒ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ سن ۷۰ھ یا سن ۸۰ھ زیادہ تر لوگ سن ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے سن ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر سن ۸۰ھ میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف دیار میں با حیات تھے۔

- ۱- حضرت انس بن مالک، بصرہ میں، متوفی ۹۲ھ، یا ۹۳ھ
- ۲- حضرت مالک بن الحویرث، بصرہ میں، متوفی ۹۴ھ
- ۳- حضرت اہل بن سعد ساعدی، مدینے میں، متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔ مدینہ طیبہ میں وفات فرمانے والے صحابہ کرام میں آپ سب کے اخیر ہیں۔
- ۴- مالک بن اوس، مدینے میں، متوفی ۹۲ھ
- ۵- حضرت وائل بن الاسقع، شام میں، متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ
- ۶- مقدم بن معد کرب، شام میں، متوفی ۸۷ھ
- ۷- حضرت ابوامامہ بابلی تمیمی، شام میں، متوفی ۸۶ھ
- ۸- ابوالطفیل بن عامر بن وائل، بروایت مکہ میں، متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ
- ۹- حضرت عمرو بن حریث، کوفے میں، متوفی ۸۵ھ
- ۱۰- حضرت عبداللہ بن اوفی، کوفے میں، متوفی ۸۷ھ۔ کوفے میں وصال فرمانے والے صحابہ

کرام میں سب سے آخر ہیں۔

- ۱۱- حضرت ابوامامہ انصاری، متوفی ۱۰۰ھ
- ۱۲- حضرت سائب بن خلاد، متوفی ۹۱ھ
- ۱۳- حضرت ابوالہداج، متوفی ۱۱۷ھ
- ۱۴- محمود بن ربیع، متوفی ۹۱ھ
- ۱۵- محمود بن لبید، متوفی ۹۶ھ
- ۱۶- قبیصہ بن ذویب، متوفی ۸۶ھ
- ۱۷- حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری، متوفی ۸۱ھ
- ۱۸- حضرت عبداللہ بن جزء، مصر میں، متوفی ۸۵ھ
- ۱۹- سائب بن یزید، متوفی ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۹۱ھ یا ۹۴ھ

(اسد الغابہ، ج ۲، ص ۳۲۲، اصحابہ، ج ۲، ص ۱۳)

برہنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید براں

صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

- ۲۰- حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، مدینے میں، متوفی ۷۷ھ
- ۲۱- حضرت ابوسعید خدری، مدینے میں، متوفی ۷۴ھ
- ۲۲- حضرت سلمہ بن اکوع، مدینے میں، متوفی ۷۴ھ
- ۲۳- حضرت رافع بن خدیج، مدینے میں، متوفی ۷۳ھ
- ۲۴- حضرت جابر بن سرہ، کوفے میں، متوفی ۷۴ھ
- ۲۵- حضرت ابو جحیفہ، کوفے میں، متوفی ۷۴ھ
- ۲۶- حضرت زید بن خالد، کوفے میں، متوفی ۸۷ھ
- ۲۷- حضرت محمد بن حاطب، بروایت کوفے، بروایت مکہ میں، متوفی ۷۴ھ
- ۲۸- حضرت ابوالغلبہ خثنی، متوفی ۷۵ھ

۲۹- حضرت عبداللہ بن بسر، متوفی ۷۷ھ

۳۰- سائب بن خباب، متوفی ۷۷ھ (اسد الغابہ، ج ۲، ص ۳۱۳)

اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی۔ ان میں سے کم از کم سات (۷) صحابہ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے۔ حضرت انس کی، ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے فرمایا کہ وہ سرخ خضاب استعمال کرتے تھے حضرت عبداللہ بن اونی کو جن کا ۸۷ھ میں کوفہ میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ اور عمر بن حریت ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفہ میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزاء واثلہ بن اسحق ۷۷ھ میں کوفہ میں وصال ہوئے۔ ان کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے اس کے کچھ لوگ اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال سن ۷۷ھ میں ہوا۔ اور حضرت امام کی ولادت سن ۸۰ھ میں ہوئی ہے لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین (۳) اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت جابر بن سرہ، حضرت ابو حنیفہ، حضرت زید بن خالد ۷۷ھ اور حضرت محمد بن حاطب ۷۷ھ نے ایک قول کی بناء پر کوفہ ہی وصال فرمایا اس قول کی بناء پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے اس لئے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے اور ان احادیث کے مصداق ہوئے:

طُوبَى لِمَنْ رَأَى وَأَمِنْ بِي وَطُوبَى لِمَنْ رَأَى مَنْ رَأَى

اسے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَأَى وَرَأَى مَنْ رَأَى (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، ص ۵۵۳)

۱- صحیح ابن ہبان حدیث رقم ۷۲۳۰۔

۲- اخرجه الترمذی فی السنن فی کتاب المناقب حدیث رقم ۳۸۵۸ ونقله ولی الدین الخطیب فی مشکاة المصابیح (کتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، الفصل الثانی) حدیث رقم ۶۰۱۳- (۷)۔

اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

خَيْرٌ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يُلُونَهُمْ متفق علیہ (مشکوٰۃ، ص ۵۵۳)

میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے آئمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انہوں نے کوفہ میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لئے صحابی کی صرف روایت کافی ہے روایت شرط نہیں جیسے صحابی ہونے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کافی ہے خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے:

مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ أَوْ رَأَاهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ مِنْ أَصْحَابِهِ (بخاری، ج ۱، ص ۵۱۵)

جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار ہدایت کا انکار ہے ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت سن ۷۰ھ میں ہوئی ہے اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں سن ۸۰ھ ہی سن ولادت مانیں جب بھی خود کوفہ ہی میں حضرت عبداللہ بن اونی ۷۷ھ اور دوسرے صحابہ اور

۱- اخرجه البخاری فی صحیحہ حدیث رقم ۳۶۵۰، مسلم فی صحیحہ فی فضائل الصحابة

حدیث رقم (۲۱۴-۲۵۳۵) وأبو داؤد فی السنن حدیث رقم ۴۶۵۷ والترمذی فی السنن

حدیث رقم ۳۸۵۹ ونقله الخطیب فی مشکاة المصابیح (کتاب المناقب، باب مناقب

الصحابة الفصل الأول) حدیث رقم ۶۰۱۰- (۴)

۲- صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ حدیث رقم ۳۶۴۹

ایک قول کی بناء پر حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ بھی کوفے ہی میں تشریف فرما تھے۔ تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے اس دور میں مسلمانوں کو صحابہ کرام کی زیارت اور ان سے حصول برکت کا کتنا شوق تھا یہ سب کو معلوم ہے۔ کیا کسی کو اس گمان ہو سکتا ہے کہ حضرت امام اعظم سترہ (۱۷) اٹھارہ (۱۸) یا کم از کم سات (۷) آٹھ (۸) سال کے ہو گئے اور ان کے شفیع والدین نے انہیں صحابی رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا۔ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ مؤخر الذکر کئے ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے اسلئے کہ بر بنائے قول صحیح ان کا وصال سن ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس (۳۰) سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے سن ۹۶ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے (مناقب للموفق کردری) اور حضرت امام اعظم نے پچپن (۵۵) حج کئے تھے۔ سن ۱۵۰ھ میں دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابو الطفیل کی حیات میں انہوں نے پندرہ (۱۵) حج کئے اور اگر ان کا وصال سن ۱۰۰ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ (۵) حج کئے۔ کون ایسا بد بخت مسلمان ہوگا کہ اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے، حضرت انسؓ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انسؓ کو فہ تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن اونیؓ کی زیارت کی تصریح کی ہے تفصیل کیلئے ”تبیض الصحیفہ“ ص ۲۷ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں ”تہذیب التہذیب“ میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے ”طبقات“ میں بھی اس کی تصریح کی ہے نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابو نعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبد البر سمعانی، علامہ عبد الغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ توربشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر، علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انسؓ کی زیارت کی ہے آخر احناف میں سے جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث

یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظمؓ کے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے انحصار الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف حضرت امام محمد اس کو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ ان کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے۔ علامہ موفق نے اپنے ”مناقب“ میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام حنیفہ نے فرمایا میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الَّذِیْ عَلَی الْخَیْرِ تَخْفَاضًا عَلَیهِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔

نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ ”مناقب موفق“ کا مطالعہ کریں ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں جو حضرت امام اعظم نے حضرت انسؓ سے براہ راست سنی ہیں۔

اس کے علاوہ ”مسند حنفی“ میں ”جامع بیان العلم فتح المغیث للسخاوی“ میں متعدد ایسی

۱۔ تبیض الصحیفہ بمناب الإمام ابی حنیفہ ذکر ما روی الإمام ابی حنیفہ عن الصحابة ﷺ ص ۲۷ مطبوعہ: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، کراتشی، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ و مسند الإمام ابی حنیفہ باب العین، روايته عن علقمة بن مرثد، ص ۱۵۰-۱۵۱، مطبوعہ: مکتبة الکونر، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ اور یہی حدیث حضرت انسؓ سے کہی اور واسطوں سے مروی ہے اور کتب احادیث میں مذکور ہے جیسا کہ ”تبیض الصحیفہ“ کے حاشیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

احادیث کی نشاندہی کی ہیں جنہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست سنی ہیں۔ اس لئے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور روایت زیارت کا ثبوت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

تعلیم

حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ سنگر حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ چونکہ پیشوایان مذہب ائمہ وقت حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے اس لئے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہاء، محدثین اگرچہ علم فقہ و علم حدیث کی تعلیم و تدریس میں مصروف تھے مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف رہے اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کر لیا تھا۔ مسلمانوں کی خوش بختی کہ سن ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک مرگیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا سعادت ازلی نے اس کی رہنمائی کی کہ اس نے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد کر گیا۔ یہ سن ۹۹ھ میں مر گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے انہی مسند خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے جہاں ملک کو سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا وہیں احادیث نبویہ و قضایا صحابہ کی تلاش، جستجو اور جمع و تدوین اور نشر و اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ جس کی قدرے تفصیل گزر چکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم ؒ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا۔ حضرت امام ایک دن بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا حضرت امام جب ان کے مکان سے گزرے تو امام شعبی نے ان کو بلایا اور پوچھا کس سے پڑھتے ہو انہوں نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا تم میں استعداد کے جوہر نظر آ رہے ہیں علماء کے پاس بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا پھر پوری توجہ اور

اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

ابتداء حضرت امام کی توجہ علم کلام پر تھی۔ علم کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن و حدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریے کی تردید مراد ہے لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام و خواص، حکام و قضاة و زبَاد سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقے پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے؟ یہ خود نہ بتا سکے اس سے کہا کہ حضرت حماد سے جا کر پوچھ لے اور وہ جو بتائیں مجھے آکر بتادینا حضرت حماد کا گھر قریب ہی تھا تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا حضرت امام اعظم فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غریت ہوئی اور اٹھا حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

تحصیل حدیث

احناف کی کتب فقہ و اصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماع امت پر علی الترتیب ہے سب پر مقدم کتاب اللہ ہے کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے اگرچہ وہ صراحتاً نہ ملے اشارۃً ملے اور اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استفسار پر عرض کیا تھا جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بے پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا! اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو،

عرض کیا! اجتہاد برائی پورا غور و خوض کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُوْلًا رَّسُوْلًا لِّمَا يَرْضٰى بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ
(مشکوٰۃ رواہ الترمذیؒ والبوداودیؒ والداریؒ ج ۳ ص ۳۲۳)

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کی فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔ ”میزان الشریعہ الکبریٰ“ میں امام عبد الوہاب الشمرانی فرماتے ہیں ابو مطیع نے کہا: میں کوفے کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ تھا کہ حضرت امام جعفر صادق، سفیان ثوری، مقاتل بن حبان، حماد بن مسلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے ان حضرات نے، حضرت امام ابو حنیفہ سے کہا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کئے اور صبح سے زوال کے پہلے تک ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا! میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں، پھر سنت پر، پھر صحابہ کے متفقہ فیصلے پر پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو اس پر، اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے جس کے

۱۔ مشکاة المصابیح، کتاب الامارۃ، باب العمل فی القضاء والخوف منه، الفصل الثانی، حدیث رقم ۳۷۳۷- (۷) وایضاً رواہ احمد فی المسند، ۲۳۰/۵۔

۲۔ سنن الترمذی، کتاب الأحکام، باب: ما جاء فی القاضی کیف یقضی، حدیث رقم ۱۳۲۷۔

۳۔ سنن أبی داؤد، کتاب الأفضیة، باب اجتہاد الراى فی القضاء، حدیث رقم ۳۵۹۲۔

۴۔ سنن الدارمی، باب من هاب الفتیا وکره التنطع والتبدع، حدیث رقم ۱۷۰۔

نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا:

أنت سید العلماء فاعف عنا فیما مضى منا من وقعتنا فیک بغیر علم فقال
غفر الله تعالى لنا ولكم أجمعین

آپ علماء کے سردار ہیں اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے اسے معاف کر دیں امام نے فرمایا اللہ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کی بھی اساس ہیں اس لئے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتہک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور کے ساتھ جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا کوفے کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔ اسی لئے موصوف کوفہ اتنی بار گئے کہ خود فرمایا شمار نہیں کر سکتا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد کی بناء پر کوفے سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفے کے ان مشاہیر کی تعداد تیرہ (۱۳) بتائی ہے جن سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل ہے جبکہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ (۶) اور مکہ معظمہ کے صرف پانچ (۵) اور بغداد کے صرف چار (۴) بتا سکے ہیں۔ (سیرت بخاری، ص ۲۵-۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ اتنی (۸۰) سال کے بعد جب کوفے کا یہ حال تھا تو اتنی (۸۰) سال پہلے عہد تابعین میں کوفے کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام کے قدوم مہمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو وہ بھی ان منتخب سابقین اولین سے جن میں ستر (۷۰) بدری اور تین سو (۳۰۰) اصحاب بیعت رضوان تھے پھر جب باب العلم حضرت علی، حضرت سعد بن وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود باوجود سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث

ہونے کے لئے امام بخاری بھی اسی شہر کے تمام بلاد اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتداء یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابوالحسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے (۹۳) وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے ساکن تھے یا کوفے میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ اور یہ تو کوئی بھی ”تہذیب الاسماء“، ”تذکرۃ الحفاظ“ وغیرہ کا مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفے کے ایسے انتیس (۲۹) محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہ مسلم الثبوت آئمہ محدثین ہیں کہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلہ اسناد میں ان میں کے اکثر بزرگ ہیں حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث میں، امام شعبہ بھی ہیں انہیں وہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ سن ۱۶۰ھ میں وصال ہوا جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ آج علم حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا، غائبانہ ان کی ذہانت و عتداری کی تعریف کرتے رہتے ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ (عقود الجمان، باب دہم)

کوفے کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرے کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درگاہ تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا علامہ ذہبی جیسے مبصر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرے یا کوفے ہی کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد

رفت رکھنے والے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں مگر امام اعظم ہونے کے لئے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی یہ کی حرمین طہیین سے پوری فرمائی۔ گزر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے سن ۹۶ھ میں کیا تھا اور عمر میں پچپن (۵۵) حج کے سن ۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ سن ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناعندہ ہوا۔ اس لئے حرمین طہیین کی حاضری کم از کم پچپن (۵۵) بار سن ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلا ناعندہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظمہ میں سر تاج محدثین تھے۔ یہ تابعی ہیں دو سو (۲۰۰) صحابہ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ، جابر، زین بن ارقم، عبد اللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابوالدرداء، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین سے بھی احادیث سنی ہیں یہ محدث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو جاتا تھا کہ عطاء کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے (رضی اللہ عنہم)۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے ان کا عقیدہ پوچھا امام اعظم نے کہا: میں اسلام کو برا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں کہتا، ایمان بالقدر رکھتا ہوں، اس کے بعد حضرت عطاء نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت و فطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطاء ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے یہاں تک عطاء دوسروں کو ہٹا کر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطاء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال سن ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں، یہ حضرت علی ابو ہریرہ، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابو

قائد، ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں تقریباً ستر (۷۰) مشاہیر آئمہ تابعین تفسیر وحدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکز علم و فن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیائے اسلام کے آئمہ حدیث و تفسیر و فقہ حرمین طہیین میں اکٹھے ہو جاتے اس لئے حج کے ایام میں ان سب سے اخذ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔ اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ مکہ معظمہ ہی میں امام شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہو گئی اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شام حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے ایک سلیمان بن کا دوسرا نمبر تھا یہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم رحمہ اللہ کے پوتے حضرت عبداللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفہ سے بصرہ اور حرمین طہیین تک محدود رہے مگر اسکی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار (۴۰۰۰) شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداء حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت، امام اوزاعی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے پہنچے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون ہیں؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا، واپس چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے، سرورق لکھا تھا

”قال نعمان بن ثابت“ ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے، پھر ان سے پوچھا یہ ”نعمان“ کون ہیں انہوں نے کہا: عراق کے ایک صاحب ہیں جن کی صحبت میں، میں رہا ہوں، فرمایا: یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا: یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جب حج کے لئے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہیں مسائل کا ذکر آیا امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے، امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا: ان کے فضل و کمال نے ان کو محسوس نہ دیا ہے مجھے یقین ہو گیا میری بدگمانی غلط تھی اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں امام باقر نے امام اعظم سے کہا: وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث روکتے ہو، امام اعظم نے عرض کیا: معاذ اللہ! حدیث کو کون روک کر سکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا: حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت،..... عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا: مرد کا،..... عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا،..... پھر عرض کیا: نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا: نماز،..... عرض کیا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضاء بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضاء ضرور کرے۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی، حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتساب فیض فرمایا

ہے۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت

بدندان ہو جاتے تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خضیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے حاضر ہوئے خضیب نے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں کیا حدیث ہے؟ خضیب نے کہا: أَخْبَرَنِي أَبُو عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فِي بَيْضَةِ النَّعَامِ يُصَيِّبُهَا الْمُحْرِمُ إِنْ فِيهِ قَيْمَتُهَا۔

مکہ معظمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے۔ عمر میں حضرت امام سے تیرہ (۱۳) سال چھوٹے تھے مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا ان سے بھی حدیث حاصل کی۔ امام اعظم جب ان کی مجلس میں بیٹھتے تو نہایت مؤدب بیٹھتے اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔ ابتداء میں لوگ امام اعظم کی طرف متوجہ نہ ہوئے مگر دن بدن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہو گیا جب حج کے لئے جاتے تو اطراف و اکناف میں دھوم مچ جاتی کہ ”فقہ عراق“ عرب جا رہے ہیں جس شہر میں جس بستی پر گزر ہوتا ہزاروں ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو فقہاء، محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے، پریشان ہو کر امام اعظم نے کہا: کوئی ہمارے میزبان سے جا کر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کر دیتے تو اچھا تھا، ابو عاصم نبیل موجود تھے انہوں نے کہا میں جا کر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرمادیں۔ امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلا کر پوری توجہ سے سوالات سنے، جوابات دیئے، ابو عاصم سے فارغ ہو کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟ ابو عاصم وہیں موجود تھے، عرض کیا: میں نے وعدہ کیا تھا، فرمایا: تم گئے نہیں، ابو عاصم نے منہ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا: میں نے یہ کب کہا تھا کہ ابھی جاؤں گا، امام نے فرمایا: عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عوام کی غرض

ہوتی ہے یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی امام اعظم نے ایک فقہی کلیہ بیان فرمادیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احادیث اجلہ تابعین سے لی ہیں تابعین میں انہیں سے حدیث لی جو مدت صحابی کی صحبت میں رہے۔ تقویٰ، علم و فضل، زہد و ورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے اگر محدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ و نادر ہیں حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں انکی قوت اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھا دیا تھا یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔ ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کیلئے نکلے مغرب کا وقت ہو گیا پانی ساتھ نہ تھا تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ حماد نے فتویٰ دیا کہ تیمم کر لیا جائے امام اعظم نے کہا اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا سب نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ امام شعبی اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے یہی مسئلہ چھڑ گیا امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّهُمْ لَيَقُولُنَّ مَنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا﴾ (المجادلة: ۲۱۵۸)

یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے امام شعبی نے جھنجھلا کر کہا: أَقْيَاسُ آتَتْ قِيَاسَ قِيَاسٍ كَرَنَ دَالِے هُوَ (عقود الجمان، باب ثامن) عطاء بن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

﴿وَأَتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ﴾ (الأنبياء: ۸۴/۲۱)

اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عز و جل نے حضرت ایوب کی جو راولاد جو مریچکی تھی وہ زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کر دی۔ حضرت امام اعظم نے کہا: جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہوگا۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد

حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کے سب سے بڑی، سب سے روشن، سب سے قوی، دلیل فقہ حنفی ہے فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو اٹھا کر دیکھو، اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو، جن جن ابواب جن جن مسائل میں صحیح، غیر مؤول، غیر منسوخ، کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں فقہ حنفی ان سب کے مطابق ہے اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی ”معانی الآثار“، علامہ عینی کی بخاری کی شرح ”عمدة القاری“، ابن ہمام کی ”فتح القدیر“ کا مطالعہ کرے اور کچھ خلیان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ، ”فتاویٰ رضویہ“ کا مطالعہ کرے، میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح سفر السعادت“ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام ابو حنیفہ نے سنی تھیں آپ نے تین سو (۳۰۰) تابعین سے علم حاصل کیا آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ ”مسند خوارزمی“ میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا: امام حدیث ابو حنیفہ ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۵۰)

انہیں کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں، وہ کبھی کسی برائی سے منہم نہ ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۲)

امام ابوداؤد صاحب سنن نے فرمایا: امام ابو حنیفہ امام شریعت تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۲)

علامہ ابن حجر مکی بیہقی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: امام ابو حنیفہ

حدیث وفقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں۔ (الخیرات الحسان، ص ۱۳)

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ سے، ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، کجع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی نیز فرمایا کہ امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مساحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے، فرمایا: ہرگز نہیں (الخیرات الحسان، فصل ۱۳۸) اسرائیل بن یوسف نے کہا: امام ابو حنیفہ بہت اچھے شخص تھے، حدیث کو کا حقہ یاد رکھتے ان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔ (الخیرات الحسان، فصل ۱۴۸)

امام یحییٰ بن معین سے کسی نے دریافت کیا امام ابو حنیفہ کیسے ہیں؟ فرمایا: ثقہ ہیں، میں نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو۔ (بنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، جزء اول، ص ۷۹) شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے، ہمارے لئے احادیث کی روایت کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی وہ اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے صحیح احادیث بیان فرماتے۔

یزید بن ہارون نے کہا: میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیزگار نہ پایا۔ (تبصیر الصحیفہ، ص ۲۱)

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں، یہ اعظم الناس کہیں اور امام بخاری بعض الناس۔ ابو محمد بن عیاش نے کہا، ابو حنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا، میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں، مگر علم و عقل میں ابو حنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبد اللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم کی برائی کی، تو فرمایا، تم علماء میں ایک ان کا مثل دکھاؤ، ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو ہمیں عذاب میں مت

ڈالو۔ ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، میں ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابو حنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا، نیز فرمایا، امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے، اور فرمایا، ابو حنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو، اگر ابو حنیفہ تابعین میں سے نہ ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے (موفق کردری)۔ نیز فرمایا، خدا کی قسم! ابو حنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے وہی کہتے تھے جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے احادیث ناخ و منسوخ کے بہت ماہر تھے معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کر لیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے:

لولا ان الله تعالى اغاثني بأبي حنيفة وسفيان كنت كسائر الناس

(تہذیب التہذیب، جزء عاشر، ص ۴۵۰)

اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دنگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے ”جزء رفع یدین“ میں فرمایا، اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کی اتباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا، عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شععی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری نظروں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم استاد امام بخاری نے کہا، امام ابو حنیفہ اپنے زمانے کے علم علماء میں سے تھے۔

غور کریں..... اس زمانے میں، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبداللہ بن مبارک، وغیرہم، سیکڑوں محدثین موجود تھے انہوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ علم والا (یعنی اعلم) کہا۔ یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن سے امام بخاری کو

گیارہ (۱۱) ثلاثیات نصیب ہوئیں۔ (تبیین الصحیفہ، ص ۱۸)

امام مالک نے امام شافعی سے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابو حنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

(الخیرات الحسان)

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی۔ بالآخر یہ کہا، ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ انہوں نے جو مختلف دیار و امصار کے کثیر التعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں۔ (مناب کردری)

خلف بن ایوب نے کہا: ابو حنیفہ نادر الوجود شخص ہیں اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں پھر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب میں۔

(کردری و تبیین الصحیفہ، ص ۲۳)

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں امام ابو حنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں (ایضاً)

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابو حنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔ (مناب للموفق و کردری)

ابو علقمہ نے بیان کیا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثیں امام اعظم ابو حنیفہ پر پیش کیں تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا، اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔ (مناب للموفق و کردری)

یہ وہ اجلہ آئمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو دروغ گو کہہ دیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہو جائے انہوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا وہ سن چکے انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد متدین ہی نہیں حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے ان کو ان کے اقوال میں بھی

صدق تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

بشارت نبوی

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل، سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے طبرانی "معجم کبیر" میں شیرازیؒ "القاب" میں، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز طبرانی اسی "معجم" میں سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا:

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَنَأْتَهُ رِجَالٌ مِّنْ هَؤُلَاءِ ۚ
(بخاری، مسلم، ترمذی، مناقب النجم ص ۲۳۲)

دوسرے طریقے پر یہ الفاظ ہیں:

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ۔ أَوْ قَالَ: مِّنْ أُنْبَاءِ فَارِسٍ، حَتَّى يَتَنَاقَلَهُ۔ (مسلم، فضائل صحابہ، ص ۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور ان کے اصحاب.....

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُنَوَّطًا بِالثُّرَيَّا لَنَأْتَهُ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ۔
(ترمذی کے تفسیر سورہ محمد، ص ۱۵۸)

۱۔ وہ حافظ الامام الجوال ابو بکر احمد بن عبد الرحمن بن احمد الفارسی ہیں جنہوں نے امام طبرانی وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا، ابن مندہ نے کہا کہ شیرازی کا انتقال شوال ۳۷۷ھ میں ہوا، اسی طرح تذکرۃ الحفاظ میں ہے۔

۲۔ مشکاة المصابیح، کتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الاول، حدیث رقم ۶۲۱۲- (۱۷)

۳۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ محمد، حدیث رقم ۴۸۹۷، ۴۸۹۸۔

۴۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل فارس، حدیث رقم (۲۳۱-۲۵۴۶)۔

۵۔ سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب: ومن الجمعة، حدیث رقم ۳۳۱۰۔

۶۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضل فارس، حدیث رقم (۲۳۰-۲۵۴۶)۔

۷۔ سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب: ومن الجمعة، حدیث رقم ۳۲۶۱۔

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث الاقاب للشیرازی میں یوں ہے:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مُعْلَقًا بِالثُّرَيَّا لَنَأْتَهُ قَوْمٌ مِّنْ أُنْبَاءِ فَارِسٍ۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں:

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعْلَقًا بِالثُّرَيَّا لَنَأْتَهُ الْعَرَبُ لَنَا لَهُ رِجَالٌ فَارِسٍ۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث ان الفاظ میں ہے:

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعْلَقًا بِالثُّرَيَّا لَنَأْتَهُ نَاسٌ مِّنْ أُنْبَاءِ فَارِسٍ۔

ابونعیم نے خود حضرت سلمان فارسی سے یہ حدیث یوں تخریج کی:

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ رِجَالٌ مِّنْ أُنْبَاءِ فَارِسٍ يَتَّبِعُونَ سُنَّتِي وَيُكْثِرُونَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ۔

چار (۴) صحابہ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی ہے کہ اگر ایمان، دین، علم، رشتہ کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کے مصداق امام اعظم ابو حنیفہ ؒ ہیں ”تمییز الصحیفہ“ ص ۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قد بشر صلى الله عليه وسلم بالامام ابى حنيفة فى الحديث الذى اخرجہ ابو

نعيم فى ”الحلية“ عن ابى هريرة ؓ (الى أن قال) فهذا أصل صحيح يعتمد

عليه فى البشارة والفضيلة

رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہ کو اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابونعیم نے علیہ

میں ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے پھر اس حدیث کے مختلف حوالہ جات دے کر

فرماتے ہیں یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد ”سیرت شامی“ کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی

اس کی تائید کی۔ ”روا المختار“ میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

فی حاشیۃ الشبراہملسی علی المواہب عن العلامة الشامی تلمیذ السیوطی
قال ما جزم به شیخنا من أن أبا حنیفۃ هو المراد من هذا الحدیث ظاہر لا
شک فیہ لأنه لم یبلغ من أبناء فارس فی العلم مبلغه أحد۔

(رد المحتار، ج ۱، ص ۳۷)

مواہب کے شبراہملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا وہ
جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابو حنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں بالکل ظاہر
ہے اس میں کچھ شک نہیں اس لئے کہ أبناء فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے
تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر کی شافعی ”الخیرات الحسان“ میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیہ معجزة ظاهرة للنبي صلى الله عليه وسلم حيث أخبر بما سيقع (ص ۱۰)
یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر

اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو بہت متداول متعارف ہے
اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی
قاری کی ہے جو بآسانی ہر جگہ ملتی ہے حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی بھلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے جو
مہم پگنی ہے۔

العالم والمعتلم

اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی اور نہ کہیں پتہ چلتا ہے کہ کہیں موجود ہے ان کے علاوہ

مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں

کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الاوسط، کتاب الرد علی القدریہ، رسالۃ امام ابی

عثمان الیتمی فی الارحاء، کتاب الرائی، اسے ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے کتاب اختلاف الصحابہ،
اسے ابو عاصم عامری اور مسعود بن شبیبہ نے ذکر کیا ہے کتاب الجامع، اسے عباس بن مصعب نے
”تاریخ مرو“ میں ذکر کیا ہے مکتوب وصایا۔

مسانید

حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے ان کتب کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی
متوفی سن ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ
لکھا ہے کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل
نہیں اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام
مسانید کو جنہیں علماء نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے جمع کئے تھے اکٹھا کر دیا ان کی تفصیل یہ ہے:

۱- مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔

۲- مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد

۳- مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ

۴- مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی

۵- مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری

۶- مسند امام ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

۷- مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشثانی

۸- مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی

۹- مسند امام ابو یوسف قاضی القضاۃ

۱۰- مسند امام محمد

۱۱- مسند حماد بن امام ابو حنیفہ

۱۲- آثار امام محمد

۱۳- مسند امام ابو القاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی

امام خوارزمی وہ مسانید کو شمار کرائے جن کو انہوں نے یکجا کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں جیسے مسند حافظ ابو عبداللہ حنین بن محمد بن خسرو اللخثی المتوفی ۵۲۳ھ مسند امام ہکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے مسند ماوردی، مسند ابن البراری متوفی ۸۲۷ھ۔ ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد

امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کر دی ہیں اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کئے ہیں ”تأنیب الخطیب“ میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس (۲۱) بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انسان العین فی مشائخ الحرمین“ میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسیٰ جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم تک متصل تحریر کیا ہے۔ مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی، ”سیرت شاعیہ کبریٰ“ کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے، ”عقود الجمان فی مناقب النعمان“ میں حضرت امام اعظم کی سترہ (۱۷) مسانید کا سلسلہ روایت بالا اتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین (۳) مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعے سے مشرف ہوا جن پر حفاظ احادیث کے توثیقی دستخط تھے جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں۔

کوثری صاحب نے ”تأنیب الخطیب“ میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر، حضر میں ساتھ رکھتے تھے، مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے جن کے رواۃ ثقہ، فقہاء، محدثین ہیں۔

علامہ ذہبی نے ”مناقب الامام الاعظم“ میں کہا، امام الاعظم سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے جن کا شمار نہیں۔

علامہ مزی نے ”تہذیب الاکمال“ میں ایک سو (۱۰۰) کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے جامع المسانید دیکھیں۔ سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ آئمہ حدیث ہیں جو آئمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ و اساتذہ بواسطہ یا بلا واسطہ ہیں۔

خصوصیت

حضرت امام اعظم کے مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں حضرت امام اور حضور اقدس ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا جن میں صدق و امانت اور ثقہ ہونا اغلب تھا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علوسند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کی اس لئے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائل جتنے زیادہ ہوں گے خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور وسائل جتنے کم ہوں گے تو ہم یا کسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے۔

جرح و تعدیل میں حذاقت

کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جرح و تعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بطور سند پیش کرتے ہیں امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کر سکتا ہے؟ انہوں نے اپنی جامع کتاب ”العلل“ میں امام اعظم کا قول، عطاء بن رباح کی تعدیل اور جابر جعفی کی جرح میں تحریر کیا۔ ”مدخل لمعرفة“، ”دلائل النبوة للبیہقی“ میں ہے ابو سعد سقانی نے امام اعظم کے

سامنے کھڑے ہو کر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدیث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا وہ ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو، البتہ جو احادیث ابواسحاق عن الحارث کے یا جابر جعفی کے واسطے سے ہوں انہیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا، طلب بن حبیب قدری ہے، عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے میں جب کوئے پہنچا تو امام ابو حنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابو محمد ہے یہ مجھے امام ابو حنیفہ ہی نے بتائی ورنہ صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا، عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ فرمایا، جہم بن صفوان، مقاتل بن صفوان کو اللہ عز و جل ہلاک کرے ایک نے نفی میں افراط کی دوسرے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا، کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ لفظ أَخْبَرَنَا وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں، ابوقطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حَدَّثَنِی کے لفظ سے روایت کر سکتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے پانچواں پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب

میں نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیئے ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضع، تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر طالب انصاف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کو آئی ہیں؟

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے مثلاً ابھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کی وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے روایت باللفظ ضروری جانتے تھے اس لئے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے مگر یہ ایسا لازم ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے انہیں چھ لاکھ (۶۰۰،۰۰۰) احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ (۱۰۰،۰۰۰) صحیح یاد تھیں مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں وہ آپ معلوم کر چکے غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار (۲،۵۰۰) سے کچھ زیادہ ہیں کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن و حدیث و اقوال صحابہ سے متح مسائل اعتقادیہ و عملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے یہ آگے آرہا ہے اس میں مصروفیت اور پھر عوام و خواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین سے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا

ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کئے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا:

الناس عیال فی الفقہ علی أبی حنیفہ من لم ينظر فی کتبہ لم يتبحر فی العلم

ولا ینفقہ۔ (تبیین الصحیفہ)

یعنی، سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں جس نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تجربہ نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے حضرت خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و کوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے اعلم خلفاء راشدین ہیں مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے یہ صرف وہی الاہم فالاہم میں مصروفیت سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ خفی کا تعارف ہے اس لئے کہ شرح میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا جزئیات کے ضمن میں فقہ خفی کا مفصل تعارف موجود ہے مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی اس لئے بقدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ

جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کئے انکار ہے مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۖ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ (النبوة: ۱۲۲/۹)

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل پڑیں ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ﴾ (البقرة: ۲۶۸/۲)

۱۔ شرح سے مراد نزہۃ القاری شرح بخاری ہے اور فقیہ الہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ نے امام اعظم کا یہ تذکرہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے جسے عوام الناس کی افادیت کی خاطر جمعیت اشاعت اہلسنت کے تحت کتابی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ مفتی عطاء اللہ نعیمی عفی عنہ

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (بخاری شریف)

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَدَاَهَا قُرْبُ حَامِلٍ فَقِهِ غَيْرَ فَقِيهِ، وَرُبَّ حَامِلٍ فَقِيهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس بندے کو اللہ عز و جل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا، کتنے فقہ کے حامل فقیہ نہیں، کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ، فقیہ وہ ہے جس کو اس نے پہنچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سن کر اسے کما حقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کما حقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے یہی وہ حد فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے محدث کا کام احادیث کو صحت کے ساتھ یاد رکھنا ہے اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارب کے فناء کے مطابق سمجھنا ہے پھر اس سے احکام کا

۱۔ أخرجه البخاری فی صحیحہ فی کتاب العلم، حدیث رقم ۷۱، باب: من یرد اللہ الخ

۲۔ وأخرجه عن زید بن ثابت: أحمد فی المسند ۱۸۳/۵۔

۳۔ أخرجه الترمذی فی السنن فی کتاب العلم، حدیث رقم ۲۶۵۶، وقال حدیث حسن۔

۴۔ أخرجه أبو داود فی السنن فی کتاب العلم، حدیث رقم ۳۶۶، باب: فضل نشر العلم۔

۵۔ أخرجه ابن ماجہ فی السنن فی المقدمة، حدیث رقم ۲۳۰، باب: من بلغ علما۔

۶۔ أخرجه الدارمی فی السنن، حدیث رقم ۲۳۴، ۲۳۵، باب: الإقتداء بالعلماء۔

۷۔ مشکاة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، حدیث رقم ۲۲۸-۲۳۱۔

استخراج ہے ان دونوں باتوں کے لئے کتنی وسعت علم اور ذکاوت و فطانت کی ضرورت ہے یہ وہی جان سکتا ہے جو فقہ سے آشنا ہو، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے اور فقیہ ہونا آخر منزل۔ جس کی حرف بحرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر مضمین کو ہو جائے گی۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے صحابہ کرام عربی ہی تھے ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا شان نزول سے وہ واقف تھے مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے کہ معانی قرآن رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں اسی لئے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی گئی۔

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الایہ)

(ال عمران: ۱۶۴/۳)

یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾

(العنکبوت: ۴۳/۲۹)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث گزری کہ بہت سے حامل فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں یہ سب اسی کی طرف رہنمائی ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں بلکہ یہ خشتِ اول ہے معراجِ علم اس کا کما حقہ سمجھنا ہے اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورت فقہ

انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحاظ احکام شریعت کی ضرورت ہے آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع و جزئیات

کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مآلہ و مآلہ علیہ یاد رکھے۔ تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جس کا صریح حکم سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے کہ فرمایا:

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انہیں یہ حکم ہے:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

(الانبیاء: ۷/۲۱)

علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں

ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (الایہ)

(النساء: ۵۹/۴)

اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی وقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت و استعداد دی

ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی و مطالب سے کما حقہ واقف

ہیں اور ان کے نسخ و منسوخ کو جانتے ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے وہ خدا داد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں متح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ، سراج الائمہ، سراج الامة، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خدا داد پوری صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں بت نئے فتنے اٹھ رہے تھے بد مذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

بنیاد

ہم پہلے خود حضرت امام اعظم کا قول ذکر کر آئے ہیں کہ جب کوفے کے علماء حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا:

إني أقدم العمل بالكتاب ثم بالسنة ثم بأقضية الصحابة مقدماً ما اتفقوا على ما اختلفوا وحينئذ أقيس۔

(”میزان الشریعہ الکبریٰ“ اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت ”الخیرات الحسان“ ص ۲۹ میں تحریر فرمائی ہے من شاء فليرجع اليه)

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابہ کرام کے متفقہ فیصلے پر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) پھر قیاس کرتا ہوں۔

علامہ یعنی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

إن أبا حنيفة قال: لا أتبع الرأي والقياس إلا إذا لم أظفر بشيء من الكتاب أو السنة أو الصحابة۔ (عمدة القاری فی شرح بخاری، ج ۴، ص ۷۱۲)

یعنی، امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ حدیث یا صحابہ سے کچھ نہ ملے۔

فقہ حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنا لیا تھا۔

إذا صح الحديث فهو مذهبي۔

یعنی، ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابو حزمہ سکری جو مسلم الثبوت محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

نیز انہیں سے منقول ہے کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر اور انب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت تک انہوں نے کسی صاحب فضیلت کی تنقیص یا برائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلہ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے امام ابو حنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو، حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب للموفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ امام ابو یوسف، قاضی القضاة، جنہیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابو حنیفہ سے مسائل پر بحث کر لیتے اور جب کوئی متح فیصلہ ہو جاتا تو میں وہاں سے اٹھ کر کوفے کے محدثین کے پاس جاتا ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس آ کر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت

امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے اور کچھ کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں، میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرماتے: ”کوئی نے میں جو علم ہے اس کا میں عالم ہوں۔“

(عقود الجمال فی مناقب النعمان)

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوئی جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی خیر رائے قائم کرتے تھے جب کہ اس پر ان کے تلامذہ جی کھول کر مکمل بحث کر لیں جس کو اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا پھر فیصلہ ہوتا اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوتی کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظ احادیث کے معنی پر دلالت بھی صریح ہوتی ہے کبھی خفی اور کبھی خفی تر نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں مگر ہوتا صریح ہے جیسے ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُمُورِهِمْ﴾ الآية

(الحشر: ۸/۵۹)

مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔
اس آیت میں دو باتیں، صریح ہیں ایک یہ کہ فقراء مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھر بار مال تھے پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے مگر یہ مقصود بیان نہیں نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دار الحرب میں محفوظ کر لیں تو وہ کفار کی ملک ہو جاتا ہے یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن وحدیث سے صریح طور پر ثابت ہو اس کی حیثیت اور ہوگی اور

جو خفی طور پر ثابت ہوگی اس کی حیثیت اور ہوگی یہیں دیکھ لیجئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مال غنیمت کے مستحق ہیں یہ ہر شعبے سے بالاتر ہے لیکن اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قرضہ ہے قرضہ کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لئے عدت کا شمار حیض سے ہوگا شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے عدت کا شمار طہر سے ہوگا قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیت اول سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟ احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ روایت کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شعبے کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی، مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں (یعنی بعید نہیں) اس لئے کہ جو درجہ دو (۲) اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی اگرچہ راوی قوی الحافظ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہیں مامور بہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اسائت، مکروہ تنزیہی، خلاف

یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجب حضرت امام اعظم ہیں، فرق مراتب کو بھی مجتہدین نے قبول کیا ہے اس تقسیم سے بہت سے وہ خلیان جو قرآن و احادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں۔ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرق قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے قرآن مجید میں ہے:

(الزمل: ۲۰/۷۳)

﴿فَافْقَرُوا مَا يَسِّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ الآية

جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبار معنی حدیث تک پہنچتی ہیں ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورہ فاتحہ اور ضم سورہ کے نماز

۱۔ یعنی نماز نہیں ہوتی سوائے سورہ فاتحہ کے، حضرت عبادۃ بن الصامت سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ أخرجه البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأذان، حدیث رقم ۷۵۶، وأخرجه مسلم فی صحیحہ، حدیث رقم (۳۴-۳۹۴) وأخرجه أبو داؤد فی السنن فی کتاب الصلاة حدیث رقم ۸۲۲ وزاد وصاعدا، وأخرجه الترمذی فی السنن فی ابواب الصلاة حدیث رقم ۲۴۷، وأخرجه النسائی فی السنن فی کتاب الإنشاح حدیث رقم ۹۰۶-۹۰۷، وأخرجه ابن ماجہ فی السنن فی کتاب الصلاة واقامة السنة فیها حدیث رقم ۲۸۳۷، وأخرجه أحمد فی المسند ۳۱۴/۵۔

نہیں ہوگی فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض، اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔ اگر معاذ اللہ! احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں لہذا متروک العمل ہے۔

اسی لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلک کلیہ مشہور ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے نہ ہو جائے بوجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں۔ اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:

إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ، ص ۱۵۱)

زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المؤمنین نے فرمایا: اللہ عز وجل ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رورہے تھے فرمایا یہ لوگ اس پر رورہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ ام المؤمنین کی یہ تنقید قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

﴿أَلَا تَذَرُوْنَ وَزْرَہٗ وَزْرَہٗ أُخْرٰی﴾ [النجم: ۳۸/۵۳]

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجنائز، الفصل الثالث، حدیث رقم ۱۷۴۱- (۲۰)۔

۲۔ امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں، ہم ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ ؒ کا قول ہے (موطا الإمام مالک بروایہ محمد بن حسن الشیبانی، ابواب الجنائز، ص ۱۱۳، مطبوعہ: المكتبة العلمية، الطبعة الثالثة)۔

کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن واحادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیا نندار، ذی فہم داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا خاموش رہے گا خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے،
لَا صَلُّوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوْ كَمَا قَالَ
(یعنی، نماز نہیں سوائے سورۃ فاتحہ کے۔)

احناف کے دلیل قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الاعراف: ۲۰۴/۷]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت نمازی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل۔ اس لئے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بیس قرآنی ثابت۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تصریح فرمائی چنانچہ آپ نے فرمایا، حسبکم القرآن: ﴿أَلَا تَرَوْا وَازِدَةً وَزَرَ أُخْرَى﴾ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں فما قال ابن عمر شیفاً یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر کچھ نہ کہا، مشکاة المصابیح، کتاب الجنائز، باب البكاء علی المیت، الفصل الثالث، حدیث رقم ۱۷۴۲-۲۱) و أخرجه البخاری فی صحیحہ، کتاب الجنائز، حدیث رقم ۱۲۸۶ و مسلم فی صحیحہ فی کتاب الجنائز حدیث رقم (۹۲۹)۔

حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے خود بولے جائے وہ کیا سنے گا بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا کہ بغور سننا تو نہ ہو گا مگر چپ رہنا ضروری ہو اس لئے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے ”جزء القراءة“ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی بارے میں نازل ہوئی یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں مگر اس پر وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مصطفیٰ نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا۔ عام ہی رہتا ہے جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا عمل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لا ینحل ہے لہذا اگر اس آیت کو خطبہ کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئیگا کہ ﴿فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے۔ سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور کوئی آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہو سکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے امام بخاری تو معذور تھے انہیں احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنہیں بار بار بتایا جا چکا پھر بھی اسی راگ کو الّا پتے رہتے ہیں احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسے حالت میں سنت

نہ پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ غرضیکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

دیئے قرأت خلف امام کے سلسلے میں احناف کے پاس احادیث بھی ہیں جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں مؤطا امام محمد میں بسند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّيَ خَلْفَ إِمَامٍ فَإِنْ قَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً (مؤطا امام محمد ص ۹۸) ۱

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی آیت میں تعارض بھی نہ رہا۔ اس حدیث نے بتا دیا کہ

۱۔ قرآنی آیت کے عوم کی بنا پر سنت فجر مکان بدل کر پڑھنے کی وجہ یہ حکم ہے وَاِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيُحْسِنُوا سَمْعًا (نہ پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ غرضیکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

۲۔ امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں امام کے پیچھے قرأت نہیں نہ جہری نماز میں اور نہ ہی سری نماز میں۔ اس کے بارے میں متعدد آثار آئے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کا فرمان ہے قرآن کے لئے خاموش ہو جاؤ اور تجھے امام کافی ہے یعنی امام کی قرأت تجھے کافی ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ جہری نماز میں اور نہ سری نماز میں اور پہلی دو رکعت میں اور نہ آخری دو میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر ؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأت کافی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اسے امام کی قرأت کافی ہے اور آپ خود امام کے ساتھ قرأت نہیں کیا کرتے تھے (مؤطا امام مالک، بروایہ محمد بن حسن، ابواب الصلاة، باب القراءة فی الصلاة خلف الامام)۔

قرأت دو ہے حقیقی اور حکمی۔ جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکماً سورۃ فاتحہ پڑھ لی۔ تو حدیث ”لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقَائِمَةِ الْكِتَابِ“ پر بھی عمل ہو گیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے کچھ لوگ امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قرأت خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا کہ تم لوگ کئی ایک ہو میں اکیلا میں ہر ایک سے کیسے گفتگو کروں گا۔ تم لوگ کسی کو بات کرنے کیلئے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار اس کا انکار سب کا انکار ہو ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کر لیا کہ یہ بات کریگا اس پر حضرت امام نے فرمایا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے۔ ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں قیاس حدیثی ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کی ہے جو فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے افسوس کہ احناف کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی نظر نہیں آئی اور اگر نظر آئی تو اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

عمل بالحدیث:

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے، ”جامع المسانید“ کے مقدمے میں لکھا ہے، امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ مُصَنِّف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے اس کے دلائل یہ ہیں۔

- (۱) امام اعظم حدیث مُرْسَل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے کہ وہ حدیث مُرْسَل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔
- (۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں قیاس مؤثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ اور قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں، رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے، البتہ قیاس مؤثر کو حجت مانتے ہیں مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔
- (۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے لہذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔
- یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے اس کی دوسری نظیر یہ ہے غیر مقلدین منیٰ کو پاک کہتے ہیں احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے منیٰ کو ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے رہ گئی ام المؤمنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منیٰ دھوتی تھی دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔
- اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ

۱۔ فقالت: كنت اغسله من ثوب رسول الله، فيخرج الى الصلاة، وأثر الغسل في ثوبه أخرجه البخاری فی صحیحہ فی کتاب الوضوء حدیث رقم ۲۳۰ وأخرجه مسلم فی صحیحہ فی کتاب الطہارۃ حدیث رقم (۲۸۹-۱۰۸) وكذلك النسائی فی السنن فی کتاب الطہارۃ حدیث رقم ۱۰۹۴، وأخرجه ابن ماجہ فی السنن فی کتاب الطہارۃ وسننہا حدیث رقم ۵۳۶، وأخرجه أحمد فی المسند ۱۴۲/۶ (مشکاة المصابیح، کتاب الطہارۃ حدیث رقم ۴۹۴-۵۰)

کے کپڑے سے منیٰ مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔
غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ اُم المؤمنین کا اپنا فعل ہے ثانیاً دھویا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصب دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے در کر رہے ہیں اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منیٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے نجاست سے پاکی کیسے ہوگی یہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے علاوہ ازیں منیٰ کے نجس ہونے کے بارے میں یہ حدیث میں صراحت ہے امام ابن ہمام نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا:

إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالْقَيْءِ وَالْدَّمِ وَالْمَنِيِّ ۱

کپڑا پانچ چیزوں (کے لگنے) سے دھویا جاتا ہے پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منیٰ۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ طرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح کی ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترف کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں علاوہ ازیں عجل نے کہا

۱۔ عن الأسود وهمام قالت: كنت أفرك المنى من ثوب رسول الله وبرواته علقمه والأسود وفيه ثم يصلی فیہ أخرجه مسلم فی صحیحہ فی کتاب الطہارۃ حدیث رقم (۲۸۸-۱۰۵) (مشکاة المصابیح، کتاب الطہارۃ، حدیث رقم ۴۹۶-۷)

۲۔ فتح القدیر للعاجز الفقیر، للامام کمال الدین المعروف بابن الہمام الحنفی، کتاب الطہارات، ص ۱۷۳، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

لا باس بہ ہے امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی اور احکام میں یہ بھی حجت۔ اور آگے چلے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی۔ مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(۴) جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماہ قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً پاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے فرمایا چوہے اور چوہے کے ارد گرد کو پھینک دو اور بقیہ کھی کھاؤ (بخاری، ص ۳۷)۔

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جتنے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے ارد گرد کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا ارد گرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے ارد گرد ناپاک ہو گیا لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں آ جانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اسی کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آ جائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آ سکتا ہے مگر پھر ارد گرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک

اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہئے اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے۔ تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم محمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو محمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔ امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی وہ قلعے ہے یعنی دو مکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْعَبَثُ^۱ (مشکوۃ، ص ۵۱)۔

جب پانی دو مکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر مکے کی تعیین بہت مشکل ہے مگر چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی کس مقدار کا مگر ہوگا؟ دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری (ج ۱، ص ۳۷)، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:

لَا يَبُولُ كُنْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الرَّائِدِ الَّذِي لَا يَحْرِي ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ^۲

۱۔ أخرجه أحمد في مسنده بلفظ لم ينحسه شيء ۲۷/۲، وأخرجه أبو داؤد في السنن في كتاب الطهارة حديث رقم ۶۳، وأخرجه الترمذی في السنن في أبواب الطهارة حديث رقم ۶۷، وأخرجه ابن ماجه في السنن في كتاب الطهارة و سننها حديث رقم ۵۱۷۔

۲۔ مشکاة المصابيح، كتاب الطهارة، حديث رقم ۴۷۷- (۴)۔

۳۔ أخرجه البخاری في صحيحه في كتاب الوضوء حديث رقم ۲۳۹ وأخرجه مسلم في صحيحه كتاب الطهارة حديث رقم (۹۰-۲۸۲) وأخرجه أبو داؤد في السنن في كتاب الطهارة حديث رقم ۶۹ وأخرجه الترمذی نحوه حديث رقم ۶۸ وأخرجه النسائی في السنن في كتاب الطهارة حديث رقم ۳۵ وأخرجه الدارمی في السنن حديث رقم ۷۵۷ وأخرجه أحمد في المسند ۳۴۶/۲- وأخرجه مسلم في صحيحه عن جابر في كتاب الطهارة- حديث رقم (۹۴-۲۸۱) وأحمد في مسنده ۳۵۰/۳ ولفظه ونهى رسول الله أن يبال في الماء الراكد۔

اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتانہ ہو ہرگز پیشاب مت کرو۔ پھر اسی میں غسل کرو۔

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟

(۵) اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم سے مکہ معظمہ میں دارالخلائطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا! کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے جب رکوع میں جاتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ اسود سے وہ عبد اللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزہری عن سالم عن ائیمہ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراہیم عن علقمہ حضرت امام اعظم نے فرمایا حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں اسود اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے امام اوزاعی نے حدیث کو علوسند سے ترجیح دی اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو

۱۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نقل فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش سے مروی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی میں اس کو زندہ کر رہا ہوں اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو (۱۰۰) شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چپ رہے۔ مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا! میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۹۴)

شبہات اور جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صد ہا نظیریں پیش کر دیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے اس قسم کے ابحاث کے لئے پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب تک کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے ان کی قلعی نہ کھول دی جائے اس لئے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔

یہاں اعتراض

حدیث مصراۃ کی خلاف ورزی کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا،

لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنْ ابْتِغَاهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، بَعْدَ أَنْ

(بقیہ حصہ) وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی اور عمری سے سنا، ان دونوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ مشکل مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبییض الصحیفۃ بمناقب الإمام ابی حنیفہ، قول الأوزاعی والعمری، ص ۱۱۸، مطبوعہ: إدارة القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراتشی، الطبعة الثانية، ۱۴۱۸ھ)

يَحْلِيهَا: إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ -

(بخاری شریف، ج ۷ ص ۲۸۸) ۱

بیچنے کے لئے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا نہ چھوڑو جس نے اس کے بعد خرید اتو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کر دے اور ایک صاع کھجور بھی دے۔

یہ بخاری کی روایت ہے مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے گیہوں نہیں۔ اس عہد میں طعام کا اطلاق جو پر ہوتا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ سے اسی ”بخاری“ میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

كَانَ طَعَامُنَا الشَّعِيرُ ۲

یعنی، ان دونوں ہمارا کھانا جو تھا۔ لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے تاکہ خریدار جب دوہے تو سمجھے کہ یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا اس لئے منع فرمایا گیا اور چونکہ اس میں تنازع کا بھی امکان قوی ہے اس لئے اس کا حل ارشاد ہوا۔

اس میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں خیار نہیں بظاہر حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے مگر حقیقت کچھ اور ہے امام طحاوی نے ”شرح معانی الآثار“ میں اس پر بہت محققانہ مفصل بحث کی ہے کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ لکھتے ہیں۔

۱۔ أخرجه البخاری فی صحیحہ فی کتاب البیوع حدیث رقم ۲۱۴۸، وأبو داؤد فی السنن کتاب البیوع والإجارات حدیث رقم ۳۴۴۳۔

۲۔ أخرجه مسلم فی صحیحہ فی کتاب البیوع حدیث رقم (۱۱-۱۰۱۵) والنسائی فی السنن وابن ماجہ فی السنن فی کتاب التجارات حدیث رقم ۲۲۳۹، ومالك فی الموطأ حدیث رقم (۵۸۹/۴۵/۳۱) من کتاب البیوع ونقله ولی الخطیب فی مشکاة المصابیح حدیث رقم

ذهبوا إلى أن ما روى عن رسول الله ﷺ في ذلك مما تقدم ذكرنا له في هذا

الباب منسوخ

یعنی، امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث

سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا:

نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْكَالِي بِالْكَالِي ۱

یعنی، نبی ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں بیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں اور دوسرا عوض

ایک صاع کھجور یا جو ہے وہ بھی مشتری ابھی نہیں دے رہا ہے۔ اس لئے یہ اگر بیع ہے تو یہ بیع الدین بالدين (یعنی، ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ) ہوئی اور فرمایا نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بيع من يشتري جوفانده حاصل کرے وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا حتیٰ کہ امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں

کہ اگر بیع کے بعد مشتری بیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جس کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو مشتری نے بیع سے جوفاندہ حاصل کیا اس کا کوئی عوض نہیں مثلاً بکری خریدی، تین چار دن اس کا دودھ کھایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کر دیا تو جو دودھ کھایا ہے اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا

دلیل یہی حدیث ہے اسی طرح مصراۃ میں بھی کوئی ضمان نہیں ہونا چاہئے اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعویٰ نہ بھی درست ہو تو اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث مصراۃ، دوسری حدیثوں کے معارض ہے تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کرنے کے لئے ہوا۔ تو یہ الزام کہ قیاس

۱۔ أخرجه الدارقطني فی السنن حدیث رقم ۲۶۹ من کتاب البیوع، ونقطه ولی الخطیب فی

سے حدیث کو ترک کیا سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث امت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے اولاً یہ بات پوری امت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوضین کی مقدار اور جنس معلوم ہونی ضروری ہے۔ یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں ظاہر ہے کہ ہر جانور ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا۔ سوچئے اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی۔ گھٹ جائے گی۔ اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ خواہ اونٹ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس۔ ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

ثانیاً یہ ایک صاع کھجور یا جو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے کھایا ہے اور ضمان کی شارح نے صرف دو ہی صورت رکھی ہے۔ مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا نہ کھجور یا جو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس قہینے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ ایک صاع کھجور یا جو نہ ہوگی کم بیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہی اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار بہت کم ہوگی۔ پھر بہر صورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جو ضمان دینا کیسے درست ہوگا۔

ثالثاً اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا کہ جو کھجور درخت پر ہوا اسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ پیو۔ کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ پیو۔ اگرچہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے ایک ماہر قریب قریب اندازہ لگا سکتا ہے مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے درخت پر کتنی کھجوریں ہیں۔ ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں اس لئے منع فرمادیا۔ یہاں بھی جہالت ہے دودھ کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں حدیث مصراۃ عند الفریقین کا مسلم احادیث کے معارض ہے اس لئے اس کی صحت میں شبہ ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور

مخالفت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور شمنیت ہے۔ دودھ اور کھجور یا جو میں دونوں باتیں مشترک ہیں یہ حدیث کا قیاس سے ترک نہ ہوا بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عند الکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ ؓ نے حضور اقدس ﷺ کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا: **الْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ** یعنی جسے آگ نے چھوا ہوا اس سے وضوء ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بنا پر بعض آئمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا۔

انتوضأ من الذہن ان ضاء من الحميم ۲

کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اے بھتیجے جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو (ترمذی، ص ۱۲، ابن ماجہ، ص ۳۸)۔ مگر حضرت ابن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیاس کی بنا پر حدیث کو ترک کر دیا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ ؓ نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اٹھائے وضو کرے اس پر حضرت ابن عباس نے کہا:

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحيض، حدیث رقم (۹۰-۳۵۱) وعن أبي هريرة، حدیث رقم (۳۵۳) أيضاً سنن الدارمی حدیث رقم ۷۵۳۔

۲۔ أخرجه الترمذی فی السنن فی أبواب الطهارة حدیث رقم ۷۹ وابن ماجه فی السنن فی کتاب الطهارة وسننھا حدیث رقم ۴۸۵۔

هَلْ يَلْزَمُنَا الْوُضُوءُ مِنْ حَمْلِ عَيْدَانِ يَابِسَةٍ (نور الانوار، ص ۱۷۸)

یعنی، کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اٹھائے۔ تاکہ جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہئے تھا کہ میری مراد یہ ہے اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے معاندین احناف ابن عباس کو کیا کہیں گے۔

۳) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا پھر مر گیا اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایک مہینہ تک غور و خوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی رائے بتاتا ہوں اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں معقل بن سنان ؓ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا! میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بردع بن واثق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی نے معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصغی بقولِ اعرابي بوالِ علي عقيبِهِ وَحَسْبُهَا الْجِيْرَاتُ وَلَا مَهْرَ لَهَا ۱

یعنی، اپنی ایزدوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے اس عورت کو صرف میراث ملے گی مہر اس کیلئے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی اور کچھ بھی نہیں ملے گا اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس

اور ابن عمر کا مذہب ہے اب بتائیے حضرت علی ؓ اور ان متیوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟

۴) ترمذی میں ہے (ج ۱، ص ۱۴۱) کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے انہیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا ۱۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انہوں نے کہا اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا تھا:

لَا نَدْعُ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَذَرِي أَحْفَظْتُ أَمَ نَسِيتُ فَكَانَ عَمْرٌ جَعَلَ لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةَ ۲

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شراحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۃ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں۔

۱ ﴿وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ الآية (الطلاق: ۱/۶۵)

انہیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں۔

۲ ﴿اسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ﴾ الآية (الطلاق: ۶/۶۵)

جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طلاق والی کے لئے ہے اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز، تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی

۱ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، حدیث رقم (۵۱-۱۴۸۰)۔

۲ صحیح مسلم (کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثاً الخ) میں حضرت عمر ؓ کا یہی قول ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے آپ نے فرمایا: لا تترك كتاب الله وسنة نبينا ﷺ والنفقة قال الله عز وجل ﴿وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ﴾ الآية (الطلاق: ۱) حدیث رقم (۴۶-۱۴۸۰)۔

حدیث سے حضرت عمرؓ نے خاص فرمایا؟ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمرؓ کا قیاس تھا کہ انہوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا۔ تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا؟ بولے، حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا تحقیق ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا۔ سب نے سکوت کیا، کیا سب صحابہ کرام قیاس تھے؟

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے وہ ”ترمذی“ میں مذکور نہیں البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمرؓ نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلاثہ کو قیاس فرمایا۔ جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلاثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمرؓ کا اُفق ہونا ہے اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتائیے کہ حضرت امام مالک امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا ترمذی میں ہے:

قال بعض أهل العلم لها السكنى ولا نفقة لها وهو قول مالك بن أنس والليث بن سعد والشافعي^۱

بعض اہل علم نے کہا اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا نفقہ نہیں ملے گا یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے

ان تینوں آئمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام

حدیث مصراۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور مکہ معظمہ

قربانی کے لئے لے جائے جاتے ہیں جنہیں ہدی کہتے ہیں۔ انہیں شاخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سازخم لگا دیا جاتا ہے اسے اشعار کہتے ہیں احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا:

لَا تَمْنَعُوا آمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ^۱

یعنی، اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا:

وَلْيُشْهَدَنَّ الْخَيْرَ وَدَعْوَةُ الْمُسْلِمِينَ^۲

یعنی، بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المؤمنین حضرت صدیقہ نے فرمایا:

لَوْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَدَتِ النِّسَاءُ لَمَنْعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ^۳

آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے بولے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم ابو حنیفہ نے کیا جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا

۱ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، حدیث رقم (۱۳۶-۴۴۲)

۲ صحیح مسلم، کتاب الصلاة العیدین، حدیث رقم (۱۲-۸۹)

۳ صحیح البخاری، کتاب الأذن، حدیث رقم ۸۶۹ و صحیح مسلم کتاب الصلاة حدیث رقم

جواب ہے۔

اشعار کی کراہت کی وجہ

اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتا۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانہ کے اشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادا میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا اس لئے سد الباب الفتہ امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا حدیث لَا تَمْتَعُوا أَمْوَالَهُم مَّسَاجِدَ اللَّهِ کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بنا پر اشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے جس سے بڑے بڑے آئمہ متاثر بھی ہوئے۔ مگر جب روبرو کفتلو ہوئی تو لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہو گئے جس

۱۔ عن ابن عباس، قال: صلى رسول الله ﷺ الظهر بذي الحليفة، ثم دعا بناقته فأشعرها في صفحة سنامها الأيمن وملت الدم عنها الخ أخرجه مسلم في صحيحه في كتاب الحج حديث رقم (۲۰۴-۱۲۴۲) وأبو داود في السنن في كتاب المناسك حديث رقم ۱۷۵۲ والترمذي في السنن في كتاب الحج حديث رقم ۹۰۶ والنسائي في كتاب المناسك حديث رقم ۲۷۷۴ والدارمي باب: في الإشعار كيف يشعر حديث رقم ۱۹۵۳ وأحمد في المسند ۲۱۶۱۱، یعنی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر اپنی اونٹنی منگوا کر اس کے کوہان کے دائیں جانب اشعار فرمایا اور اس کے خون کو صاف کر دیا۔

۲۔ یعنی، حد سے تجاوز کر گئے۔

۳۔ یعنی، قتل کا دروازہ بند کرنے کے لئے۔

کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ، اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصول فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسیٰ بن ابان اور ان کے کچھ تبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ ”مسلم الثبوت“ اٹھا کر دیکھو انہوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی علماء نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا۔ جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

(۱) پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ قیاس کے خلاف ہے اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال أهل المدينة لكن لا قياس مع الأثر ولولا ينبغي إلا أن ينقاد الآثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہئے۔

(۲) رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا یہ حدیث سے ثابت ہے قیاس چاہتا ہے کہ جب کھاپی لیا تو روزہ ختم مگر امام اعظم نے فرمایا:

لولا ما جاء من الآثار لأمرت بالقضاء

اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں ایسے روزے کی قضاء کا حکم دیتا۔

احادیث کے علل قادحہ خفیہ

یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے ایک ہی حدیث دسیوں محدثین کے نزدیک صحیح ہے مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو۔ یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں ضعیف ہی ہو۔ یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہو۔ اس کی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آئین بالجہر ثابت کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں اس لئے کہ اگر ان میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جبکہ امام بخاری نے آئین بالجہر کا باب باندھا ہے تو اسے ضرور ذکر فرماتے آئین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے۔

مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ

جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکاتے ہیں مگر یہ حدیث صحیح ہر قدح ہر علت سے پاک ہے۔ امام محمد نے مؤطا (ص ۹۸) میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں۔ روایت کیا امام ابن ہمام (فتح القدیر، ص ۱۳۶) نے فرمایا، یہ حدیث شیخین کے شرط پر صحیح ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر اور شروط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر وقت تک یاد رکھے ہو یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث معنعن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول و فعل

نہیں امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے۔ بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں احتاف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث مُرسل حجت ہے۔ کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ ان شرائط کے اختلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہوا ہے اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے پھر ان ظاہر و جہ سے ہٹ کر کبھی بظاہر حدیث صحیح ہے۔ متصل السند ہے تمام راوی ثقہ ہیں کوئی خرابی نہیں نظر آتی۔ مگر ایک ماہر حدیث کا نقاد، حاذق اسے کسی خفی علت کی بنا پر ضعیف کہہ دیتا ہے پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں بیان کر سکتا جو اس کے معلل ہونے کی ہے۔ جیسے ایک صراف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی مگر دوسرے کو بتانا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابو حاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے بعض کو صحیح بعض کو مدرج بعض کو منکر، بتایا۔ سائل نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟ ابو حاتم نے کہا نہیں، مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس نے کہا! کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ فرمایا تو دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جا کر انہیں کے معاصر دوسرے محدث ابو زرعد سے پوچھا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو ابو حاتم نے کہا تھا۔ اب اس کو اطمینان ہوا (فتح المغیث)۔ امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا:

ہی إلهام ولو قلت للقيم بالعلل من أين لك هذا لم تكن له حجة۔

(فتح المغیث)

یہ الہام ہے اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بنا پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے:

أثر يهجم على قلوبهم لا يمكنهم رده و هیئة نفسانية لا معدل لهم۔

یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے جسے وہ رد نہیں کر سکتے اور ایک نفسیاتی

تاثر ہے جس سے وہ صرف نظر نہیں کر سکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہونا بعد از قیاس نہیں کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کر سکیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے یا نہیں۔ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے ہی نہیں بلکہ بعد کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں اعظم جلیل ہی نہیں اجل کبیر ہی نہیں اکبر محدث بھی تھے اور ایسے ماہر حافظ کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کما حقہ واقف تھے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انہوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لے کر کچھ احادیث کو علل خفیہ قاذوہ کی بنا پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا۔ لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم

پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عز و جل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اسی ”بخاری“ کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے:

فَهُمْ مُعْطِيَةُ رَجُلٍ مُّسْلِمًا (بخاری شریف، ج ۱، ص ۲۱)

سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے۔ اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر عمر مبارک دوران خطبہ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَيْرَ عَبْدٍ بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَأَخْتَارَ ذَلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللَّهِ۔

یعنی، اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ، اس بندے نے حضوری بارگاہ کو پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا، رو کیوں رہے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مختار خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (بخاری، ج ۱، ص ۵۱۶)

(۲) حضرت فاروق اعظم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر نے سب کے صاحبزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا۔ اور دریافت فرمایا کہ سورۃ نصر ﴿إِذَا جَاءَ.....﴾ سے کیا سمجھتے ہو۔ کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے کچھ نے عرض کیا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح و تہمید کریں۔ استغفار کریں یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا، اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جا رہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے حضرت امام اعظم کو اللہ عز و جل نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں اور امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی۔ جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جنہیں اللہ چاہتا، امام کی جلالت تسلیم کر لیتا، ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر کی شافعی نے ”الخیرات الحسان“ میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں ان

کا جاننے والا میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم، حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے انہوں نے امام اعظم سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کس سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا آپ ہی بیان کردہ ان احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کر دیا۔ امام اعمش نے فرمایا، بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالی، میں نہیں جانتا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقہاء! أنت الأطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل اخذت بكلام

الطرفين (الخيرات الحسان، ص ۶۶، ۶۷)

اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو حاصل کر لیا۔

اللہ عزوجل سے حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر فرمائے۔ انہوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہائے کے مراتب کی تعیین میں چلی آ رہی ہے۔ ان چند لفظوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے اب ہم بھی اس گفتگو کو انہیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ

حضرت امام اعظم کی جلالت شان گھٹانے کے لئے ایک جاہلانہ سوال اُچھالا جاتا ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلدین طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے ہاں جلالت شان کہیں کہیں لغوی و صرفی لغزش ہو گئی ہے۔ جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ یحییٰ (حنفی) نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑکے چھتے میں لکڑی چلی گئی۔ ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام

اعظم پر طعن سب و شتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہونہ سکا، کیا یہ..... کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا۔ جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمثل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا، نہیں، اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ منجیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں فرمایا،

لو قتله بابا قبيس

اگر چہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابوقیس پر ”با“ حرف جار داخل ہے اس لئے اس کو یاء کے ساتھ ”بابی قبیس“ ہونا چاہئے تھا اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقف کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم کا نحوی تجرب ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری قتل ابی جہل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود ابو جہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا انت ابا جہل، جو روایت بطریق محمد بن ثنی ہے۔ اس میں معتد روایت یہی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے حالانکہ ہونا چاہئے ابو جہل، اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ ”بابا قبیس“ غلط ہے اور نہ ”انت ابا جہل“ غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ”جب غیر یائے تنکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا“ چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

إِنَّ أَبَاهَا وَأَبَا أَبَاهَا قَدْ بَلَّغْنَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں یا کے ساتھ اور حالت رفع میں ”واو“ کے ساتھ اس لئے ”انت ابا جہل، ولو

قتلہ بابا قیس“ غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کے جوابات

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آ رہا ہے۔ اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب

اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمائے، اور انہیں دلیل بنایا بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہی ہیں بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوال رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ یہ ترتیب اَلَاھُمْ فَالَاھُمْ کی ہے۔

دوسرا جواب

جن امور کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب

یہ بات بہ تحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن و احادیث ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکام قرآن و حدیث

میں نہ مل سکے۔ ان میں انہوں نے قرآن و احادیث سے مستخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کئے ہیں تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے۔ اور یہ حقیقت میں اقوال فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں بلکہ اصل اعتماد قرآن و حدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہاء قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے ہوئے بھی ”فتاویٰ نذیریہ“، ”فتاویٰ ثنائیہ“ پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور وہی آپ لوگوں کا معمول یہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں؟ اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن و احادیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے؟

اقوال فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز و حرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی۔ اور (یہ رائے) قرآن و احادیث کے معارض ہوتی۔ مگر جب ان کے اقوال قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن و احادیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پرامت کا اجماع ہے اور یہ قرآن و احادیث سے بھی ثابت ہے مجتہد کون ہے؟ یا کون ہو سکتا ہے؟ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں اب جو مجتہد نہیں لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا مقلد ہے، اسے براہ راست قرآن و احادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے اس لئے وہ لوگ اقوال فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ عمل خود اجلہ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتیٰ کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ

خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا انہوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتائیے۔ حضرت سفیان ثوری ؒ سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں کوئی اچھی تقریر نہیں کر سکتا یعنی امام اعظم۔ پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمہارے شیخ کا کیا قول ہے؟ یہ لوگ بتاتے اسی کے مطابق فتویٰ دیتے۔ اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے کے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا بیوی کیوں پیچھے رہتی اس نے بھی برابر کی قسم کھالی جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان، شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا کیا حل ہے فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دے دو۔

شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفاء ہوئے امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہو گئی۔ اب قسم کہاں رہی اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفہ کے ایک شخص نے اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی اور کوفہ کے تمام علماء و فقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، حسن بن صباح سبھی دعوت میں شریک

تھے۔ لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشان حال آیا۔ اور کہا بڑی مشکل ہو گئی عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دو بہنیں بدل گئیں۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت سفیان نے کہا! حضرت معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلا دو دونوں لڑے آئے تو امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جو لڑکی رات تمہارے ساتھ تھی وہ تم کو پسند ہے ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے فرمایا، کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دے دو۔ اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کر لو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا اس لئے کہ وطی بالعبہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخافت کے اسباب

ایک تو وہی حسد چونکہ امام صاحب کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہو گئیں عوام خواص سب کے مرجع اعظم، حضرت امام ہی ہو گئے یہ بات معاصرین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کے لئے ان پر بے جا تنقید کرنے لگے۔

دوسرا سبب

معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہار حق کے لئے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے اس سے لوگ چڑ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفہ کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ بتیس (۳۲) برس کوفہ کے قاضی رہے ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لئے انہیں تنبیہ فرما دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ بات ناپسند تھی اس لئے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضاء سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے

جھگڑا ہو رہا تھا۔ عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانین کہہ دیا (یعنی، اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضاء میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑکی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسی اسی یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے مارے جائیں۔ جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا، ابی لیلیٰ نے اس میں چھ (۶) غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ مجلس قضاء سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آ کر فیصلے کے لئے بیٹھے۔

۲۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۔ عورت کو بٹھا کر حد ماری چاہئے۔ انہوں نے کھڑے کر کر دے لگوائے۔

۴۔ ایک ہی حد لازم تھی انہوں نے دو جاری کیں۔

۵۔ ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حدیں لازم بھی ہوں تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہئے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانا چاہئے۔

۶۔ جسے عورت نے ابن الزانین کہا تھا اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔

اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفے کے گورنر سے شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگا دی کہ امام ابو حنیفہ فتویٰ نہیں دے سکتے۔ کوفے میں اور بہت سے فقہاء تھے اس صورت میں فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتویٰ دینا بند کر دیا اسی اثناء ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا؟ تو امام صاحب نے فرمایا، بیٹی! تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔ مجھے آج کل فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ

اطاعت امیر اور دیانت وامانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

(ترجمہ ابن ابی لیلیٰ، ج ۱، ص ۴۹۲)

لیکن جب مسائل میں خود کوفے کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کر سکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا اور حکم انتاعی اٹھا لینا پڑا۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وكان هذا المنع للإمام رضى الله تعالى عنه قبل اجتماعه به ومعرفته بمقام

الإمام فى العلم (كتاب الميزان، ج ۱، ص ۶۲)

یعنی، امام صاحب کو فتویٰ دینے سے منع کرنا آپ کی ملاقات اور آپ کے پایہ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

اور جب امام صاحب کے پایہ علمی کا علم ہوا تو پکارا اٹھا۔

هذا عالم الدنيا اليوم (تبيين الصحيفه، ص ۲۰)

یعنی، یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحییٰ بن سعید، شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے کوفے کے قاضی تھے مگر کوفے میں ان کو وہ قبول عام نہ حاصل ہو سکا جو حضرت امام اعظم کا تھا اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا کہا کرتے تھے کہ کوفے والے عجیب کم عقل ہیں تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابو حنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابو یوسف امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے قاضی یحییٰ سے پوچھا ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے تو آزاد کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کر سکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے لَا ضَرَرَ وَلَا فَضْرَانَ جس کام سے دوسرے کو ضرر پہنچے (وہ کام) جائز نہیں۔ امام ابو یوسف نے پوچھا، اگر دوسرا آزاد کر دے تو؟ اس پر قاضی صاحب نے کہا، اب آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا، آپ نے اپنے قول کا رد کر دیا، پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا یہ غلام پورا کا پورا

غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی۔ اب کیسے آزاد ہو گیا؟

تیسرا سبب

یہ ہے کہ کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کر کے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد، یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں امام نسائی نے ضعیف کہا۔ ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب (یعنی، حدیثیں گھڑنے والا جھوٹا) تھا، امام ابو حنیفہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لئے کرتا ہوں ایسے لوگوں پر حیرت نہیں حیرت امام بخاری پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کر کے ہم اس پر بحث کو ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”حافظ ابوالشیخ بن حبان نے ”کتاب السنۃ“ میں یا حافظ ابن عدی نے ”کامل“ میں، یا ابوبکر خطیب نے ”تاریخ بغداد“ میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے ”مصنف“ میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض آئمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہے۔

ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے اس سے احتراز کیا جائے۔“

مجہد تعالیٰ ہمارے مشارح کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجرات صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ

حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد معین کرنا مشکل ہے۔ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدث ہوئی ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب پر تفصیلی بحث تو دفتر چاہتی ہے۔ صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لئے سیکڑوں صفحات چاہئے ناظرین کی طمانیت خاطر کے لئے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ

امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے جو اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد یحییٰ بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر کی بنیٰ بن ابراہیم بن یحییٰ ہیں۔ جو امام بخاری کی بائیس (۲۲) تلامذات میں سے گیارہ (۱۱) تلامذات کے شیخ ہیں۔ بلخ کے امام ہیں ان کا قول ہے امام ابو حنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے زاہد، سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اس عہد میں محدث کہتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے، اپنی ”سنن“ میں تینتیس (۳۳) جگہ ایسی روایات لی ہیں۔ حاکم کی ”مستدرک“، طبرانی کی ”معجم صغیر“، مسند ابوداؤد و طیالسی“ میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں ترمذی، نسائی، جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔ ”مجمع البحار“ میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے ”تقریب“ میں امام اعظم کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور ”تہذیب التہذیب“ میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری امام ترمذی، ابوداؤد و طیالسی، طبرانی، حاکم حتیٰ کہ دارقطنی تک امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں اگرچہ کچھ درجے نیچے آکر حضرت امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصیت سے حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت فضیل بن عیاض، حفص بن غیاث، ابو عاصم النبیل، داؤد و طائی، مسعر بن کدام، یزید بن ہارون، یحییٰ بن القطان، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ ان اجلہ محدثین نے کسی ایسے ہی شخص کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ہے جو حدیث سے نابلدہ ہو اور تک بندی کو احکام شریعت بتا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمائے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لئے وہ وہ مظالم کئے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔ منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بُرا دنداؤں ہیں۔ اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چکوا دیا۔ آخر جنگ آمد جنگ آمد۔ ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداً ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے بعد میں بہت بڑی فوج تیار کر لی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتویٰ دے دیا۔ نفس ذکیہ بہت شجاع فتنہ جنگ کے ماہر، قوی، طاقتور تھے۔ مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو سن ۱۴۵ھ میں دادرمانگی دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی خاص کوئے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے بڑے بڑے آئمہ، علماء، فقہاء نے ان کا ساتھ دیا حتیٰ کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبور یوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا، مگر مالی امداد کی لیکن نوشتہ تقدیر کون بدلے۔ ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہو کر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا، سن ۱۴۶ھ میں بغداد کو دار السلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔ منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا۔ مگر جواز قتل کے لئے بہانہ کی تلاش تھی اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔ اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدہ قضاء پیش کیا۔ امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے

جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدہ قضاء کے لائق نہیں، جھوٹا ہوں تو بھی عہدہ قضاء کے لائق نہیں اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ اس پر منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے میں کہا! ابو حنیفہ تم امیر المؤمنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا، ہاں یہ اس لئے کہ امیر المؤمنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے اس پر منصور نے جُور ہو کر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دار السلطنت تھا اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔ حضرت امام کا غلطہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوا دیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

حجۃ جنتی ہو قضا ایک ہی سجدہ میں ادا ہو

تجہیز و تکفین

وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔ قاضی بغداد عمار بن حسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوئے جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا تانتا

باندھا ہوا تھا چھ (۶) بار نماز جنازہ ہوئی اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے اس لئے کہ یہ جگہ غضب کردہ نہیں تھی۔ اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے دفن کے بعد بھی بیس (۲۰) دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت آئمہ محدثین و فقہاء موجود تھے۔ جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔ مکہ معظمہ میں ابن جریر تھے انہوں نے وصال کی خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا، بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا، کوفے میں اندھیرا ہو گیا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سن کر بغداد حاضر ہوئے۔ جب امام کے مزار پر پہنچے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ابو حنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے، حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام و خواص ہے حضرت امام شافعی نے فرمایا۔ میں امام ابو حنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں، روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم أنه لم يزل العلماء وذو الحاجات يزورون قبره ويتوسلون عنده في قضاء حوائجهم ويرون نفع ذلك منهم الإمام الشافعي رحمه الله عليه انتهى
(الخيرات الحسان، ۶۹)

یعنی، جان لے کہ علماء و اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور اپنی حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے سن ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالی شان قبہ بنوایا۔ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔ یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا، نہایت شاندار لا جواب عمارت بنوائی۔ اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء و عمائد کو مدعو کیا۔ یہ مدرسہ مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال نوے (۹۰) سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو سن ۱۵۰ھ میں ہوا۔

فقہ حنفی کی عالمی مقبولیت

[از: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی]

پروفیسر ابو زہرہ مصری رقم طراز ہیں: مشرق میں آزاد اسلامی حکومتیں سلاجقہ، آل یوہیہ، بر اعظم افریقہ میں طرابلس، تیونس، الجزائر، اندلس، جزیرہ سسلی سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی نے قاہرہ (مصر) میں احناف کے لئے ”مدرسہ سیوفیہ“ قائم کرایا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصری عوام میں حنفی مذہب نے فروغ پایا۔ مصر، شام میں حنفی مذہب عوام میں مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ مشرقی ممالک میں عراق، خراسان، سیدستان، ماوراء النہر (اس سے مراد روس کی آزاد مسلمان ریاستیں ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان، بلخ، بخارا، سمرقند، تاشقند، وغیرہ ہیں) میں احناف کی بڑی اکثریت تھی۔

روس کی اسلامی ریاستوں میں آرمینا، آذربائیجان، تبریز، رے، اہواز کے رہائش پذیر بھی حنفی مذہب ہیں۔ ایران میں پہلے احناف کی بڑی اکثریت تھی۔ ہندوستان، پاکستان میں بھی حنفی مذہب کا سکہ جاری تھا۔ چین میں چالیس ملین سے زائد مسلمان سکونت پذیر ہیں ان میں اکثر حنفی مذہب کے پیروکار ہیں۔ (حیات حضرت امام ابو حنیفہ، باب حنفی مذہب کی اشاعت عام مطبوعہ انڈیا، یہ کتاب سن ۱۹۳۵ء کی تحریر شدہ ہے۔)

مورخ ابن خلدون رقم طراز ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین آج عراق، ہند (پاک و ہند) چین، ماوراء النہر، بلاد عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص ۶۶۹)

حنفی مذہب کو کلی طور پر ”سلطنت عثمانیہ“ کے تمام صوبوں میں نہ صرف عوامی زندگی بلکہ سرکاری نظام عدل میں مستند مجموعہ قوانین کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی (ص ۱۰۶)۔ حنفی مکتب فکر وسط ایشیاء اور ہندوستان (پاک و ہند) بنگلہ دیش میں غالب و فائق ہے۔ (ص ۱۳۱) (شارژر انٹیکو پیڈیا آف اسلام)

ڈاکٹر صبحی محمصانی مصری لکھتے ہیں: جو مالک سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت رہے ہیں جیسا کہ مصر، سوریا (شام)، لبنان ان کا مذہب بھی حکمہ عدل و قضاء میں حنفی چلا آ رہا ہے حکومت تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیر اثر ممالک مثلاً شام اور البانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی عبادات میں یہی ہے اور مسلمانان بلقان و قفقاز بھی مسائل عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں اسی طرح افغانستان و ترکستان اور مسلمانان پاک و ہند و چین میں بھی یہی مذہب غالب ہے اور اس

مذہب کے پیروکار دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں۔ (فلسفہ شریعت اسلام، ص ۴۸، مطبوعہ مصر)

بعض احمق الزام لگاتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے عہدہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پر مامور ہو کر جبر و تحدید سے مذہب حنفی کو رواج دیا۔ اس الزام کا پروفیسر نور بخش تو کلی علیہ الرحمہ جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: امام اعظم سن ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے اور امام ابو یوسف کو خلیفہ ہارون رشید نے سن ۷۰ھ کے بعد عہدہ قاضی القضاۃ پر مامور کیا اس پچاس برس میں مذہب حنفی کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور وہ امام اعظم کے شاگردوں کے ذریعہ کوفہ کے حدود سے باہر حرمین شریفین، بصرہ، واسطہ، موصل، جزیرہ، رافہ، نصیبین، دمشق، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہادند، رے، قوس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کیش، صغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، سمجستان اور خوارزم وغیرہ مقامات میں پہنچ چکا تھا (دیکھئے مناقب الامام الاعظم للکوردی)۔ اب بتلائیے کہ اس کامیابی کو کس طرف منسوب کریں؟ اگر مذہب حنفی حق نہ ہوتا تو امام صاحب یا امام یوسف کے بعد جلد ناپید ہو جاتا، مگر ہم اس کے برعکس دیکھ رہے ہیں کہ حاسدوں کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود اس کو روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ مذہب حنفی کی اشاعت صرف اپنی ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوئی ہے امام صاحب کے ہزاروں شاگردوں نے جو آسمان فقہ کے ستارے ہیں، امام اعظم کے مسائل کی روشنی دور دور پھیلا دی تھی۔ (الاقوال الصحیحہ فی جواب البحر علی ابی حنیفہ، ص ۶۳، مطبوعہ ۱۹۱۴ء)

چند سال قبل ایک عرب محقق نے آئندہ اربعہ کے پیروکاروں کے اعداد و شمار جمع کئے تھے اس نے حنفی کی تعداد ساڑھے چھیا سی کروڑ، شافعی کی تعداد ساڑھے چار کروڑ، مالکی کی تعداد چار کروڑ اور حنبلی کی تعداد صرف چالیس لاکھ رقم کی ہے۔ (صراط مستقیم، ص ۵۹، مطبوعہ ۱۹۹۶ء)

زمانہ ہر عہد، ہر صدی میں کریگا اخذ فیوض جس سے

جہاں میں وہ ہستی منیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ

(ماخوذ از انوار امام اعظم، مرتب: سید زین العابدین شاہ راشدی مدظلہ العالی)

جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان کی سرگرمیاں

ہفت واری اجتماع:

ہر پیر کو بعد نماز عشاء، نور مسجد کا غازی بازار میں تقریباً ایک گھنٹہ کی نشست منعقد ہوتی ہے جس سے مقتدر علمائے اہلسنت مختلف موضوعات پر خطاب فرماتے ہیں۔

مفت سلسلہ اشاعت:

ایک مفت اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کے تحت ہر ماہ مختلف موضوعات پر کتابچہ شائع کئے جاتے ہیں اور پاکستان بھر میں ارسال کئے جاتے ہیں خواہش مند حضرات نور مسجد سے رابطہ کریں۔

مدارس حفظ و ناظرہ:

رات کو حفظ و ناظرہ کے مختلف مدارس لگائے جاتے ہیں جہاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

درس نظامی:

رات کے اوقات میں درس نظامی کی کلاسیں بھی لگائی جاتی ہیں جس میں ابتدائی پانچ درجوں کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان شاء اللہ عنقریب صبح کے اوقات میں بھی کلاسوں کا آغاز کیا جائیگا۔

کتب و کیسٹ لائبریری:

ایک لائبریری بھی قائم ہے جس میں علماء اہلسنت کا مفید لٹریچر مطالعہ کے لئے اور کیسٹیں سماعت کے لئے مفت فراہم کی جاتی ہیں خواہش مند حضرات رابطہ فرمائیں۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

واضح حکم خداوندی کے باوجود

ہم اپنے دینی و دنیاوی مسائل پوچھنے میں کیوں شرماتے ہیں.....؟

آپ کے اپنے علاقے میں قائم دارالافتاء

دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت میں

بمقام: نور مسجد کاغذی بازار، میٹھا در کراچی۔

حضرت علامہ مولانا مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب مدظلہ العالی

آپ کے دینی و دنیاوی مسائل کے جوابات کے لیے موجود ہیں۔

شرمانا اور جھجھکنا چھوڑیے۔

آئیے..... اور..... پوچھیے